ماھنامہ

حکمت بالغہ

دسمبر2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ http://jhanghikmat.co.cc/ یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ المنافقون (5-11)

گزشتہ شمارے میں فرمانِ خداوندی کے تحت درج آیات میں آخری آیت کا ایک حصہ سہواً رہ گیا تھا اس لئیو ہی آیات دوبارہ شائع کی جارہی ہیں۔ ہم اپنی اس خطا پر اللہتعالیٰ سے بھی مغفرت طلب کرتے ہیں اور قارئین سے بھی معذرت خواہ ہیں۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ آ ؤ

رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت مانگیں

تو سر ہلا دیتے ہیں

اور تم ان کو دیکھو کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں

ان کے حق میں برابر ہے کہ تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو

اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا

بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ

ان پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس (رہتے) ہیں
یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں

حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں

لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے

تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے

حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مؤمنوں کی

لیکن منافق نہیں جانتے

اے ایمان والو!

تمہارے مال اور اولاد تم کو غافل نہ کر دے

اللہ کی یاد سے

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں

اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کر لو

اس وقت سے پیشتر کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے

تو (اس وقت) وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار
تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی

تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا

اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا کسی کو

جب اس کی موت کا وقت آ جائے

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے

ع خودی ہے تیغ، فشاں

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

انجینئر مختارفاروقی

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ایک ایسا کلمہ ہے جو اس کائنات سے متعلق چند بنیادی حقائق کی طرف اشارہ کرتا ہے، یہ کلمۂ اسلام ہے اور ہر وہ شخص جو مسلمان ہے یا مسلمان ہونا چاہتا ہے' اس کے لئے ان بنیادی حقائق کا اعتراف ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔ ان الہامی الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

''نہیں (ہے) کوئی الٰہ (معبود، مسجود، حاکم، مالک، رب، محبوب، مقصود) سوائے اللہ کے''

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (ﷺ)

''اور سید الاولین والآخیرین، امام الانبیاء، حضرت محمد (ﷺ) اللہ (کے بندے اور) رسول ہیں''

اس کلمے کے دو حصے ہیں ایک ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرا حصہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (ﷺ) پہلے حصے کے اعتراف کرنے اور قبول کرنے پر ہی دوسرے حصے کی ضرورت اور افادیت کا ادراک ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جو شخص اللہ کو 'رب' اور 'معبود' نہیں مانتا اُسے حضرت محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے سایۂ جہاں پناہ اور آپ کے محسنِ انسانیت ہونے کا ادراک ہی نہیں ہوسکتا۔

علامہ اقبال کی مشہور نظم میں مصرع ہے جس میں خودی کو تیغ کہا گیا ہے۔ اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو فشاں یعنی جس پتھر پر تلواروں کو تیز کرتے تھے گویا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے خودی بیدار ہوتی ہے

اس کلمہ کا پہلا حصہ ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ'' ہمارے حواس اور نگاہوں میں آنے والی کل کائنات کا سب سے بڑا سچ اور 'احق الحقائق' ہے۔ اس لئے کہ کائنات کے اس وسیع و عریض اور پیچیدہ نظام کا ایک خالق و مالک ہے وہ ہی رب ہے وہی اللہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہی تمام جمادات، نباتات وحیات اور ارض وسماء کا خالق و فاطر، مدّ بر، محافظ و قیوم بھی ہے اور اس سلسلۂ تخلیق کے شاہکار حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم (انسان) کا بھی وہی رب ہے اور الٰہ حقیقی بھی۔ بنی آدم اپنی کج فہمی اور کوتاہ نظری کے سبب جب اپنے رب حقیقی اور الٰہ حقیقی کو نہیں پہچان پاتا تو اس کی جگہ کسی 'جعلی' 'الٰہ' اور 'رب' کو مان کر اپنی ہستی کو گنوا دیتا ہے اور مادیت پرستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے وجود حقیقی 'روح' یا 'خودی' کی طرف سے رُخ موڑ کر صرف مادیت پرستی یا جسم اور جسمانی تقاضے اور خواہشات و امنگوں کا پجاری بن جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسا انسان اپنے کسی جعلی 'معبود' کا تصور بھی کرتا ہے تو اپنے جیسا ایک انسان ہی 'تراش' کر سامنے رکھ دیتا ہے اور اس کو سجدہ کر کے ثابت کر دیتا ہے کہ مظاہر پرستی اور مادیت پرستی ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے ایسے اشخاص، ایسے معاشرے اور ایسے مذاہب کی سوچ ؏ ''خوگرِ پیکر محسوس تھی انسان کی نظر'' کا نشان بن جاتی ہے اور ایسا انسان خود بھی جائز ناجائز ہر طرح سے اپنے جسمانی تقاضے پورا کرنے کو ہی اپنی معراج سمجھتا ہے۔

ایک انسان جب 'اللہ' سے مُنہ موڑ کر شرک کرتا ہے 'جعلی' اور خود ساختہ معبود تراشتا ہے تو وہ سنگ وخشت اور عریانی و بت پرستی میں گم ہو جاتا ہے اور 'اللہ' کے اسماء وصفات کی تجرید سے کوسوں دور ہو جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبال

؎
تراشیدم صنم برصورت خویش
بشکل خود خدا را نقش بستم
مرا از خود برون رفتن محال است
بہر رنگے کہ ہستم خود پرستم

''میں نے ایک پتھر کا بت انسانی شکل کا بنا ڈالا میں نے ''خدا'' کو اپنی شکل میں ڈھال دیا۔ انسان کے لئے اپنے فکر محدودات سے باہر آنا محال ہے اللہ تعالیٰ کے سوا

انسان جس کو بھی پوجتا ہے خود پرستی کرتا ہے'‘

اولادِ آدم علیہ السلام میں جو شخص کلمہ ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ'' کہتا اور سب 'جعلی خداؤں (من گھڑت یا خود ساختہ) کی نفی کر کے صرف ایک اللہ جل جلالہٗ کو رب اور اِلٰہ مان لیتا ہے۔ تو اللہ جل جلالہٗ کی صفات کا ایک ایسا پرتو اور عکس جمیل اس کی شخصیت پر پڑتا ہے کہ اس شخص کا مادی جسم بھی 'خودی' یا 'روح' کے روشن ہونے پر منور ہو جاتا ہے جیسے بجلی کے روشن بلب کے قریب آپ اپنے دونوں ہاتھوں کا ہالہ سا بنا دیں اور بلب کو چھپا لیں تو بلب کی روشنی آپ کے ہاتھوں کو منور کر دے گی اور آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ہاتھوں کی کایا پلٹ گئی ہے اور سُرخ ہو گئے ہیں اور روشنی ہاتھوں کے اندر تک سرایت کرتے محسوس ہو گی۔

اسی طرح جس انسان کی 'روح' یا 'خودی' نور لا اِلٰہ سے منور ہو جائے اور وہ مادی خداؤں اور جعلی معبودوں کے تصورات سے اپنے آپ کو پاک کر کے اور بلند کر کے صرف 'اللہ' کو رب اور اِلٰہ مان لے تو اس کے گرد مادی جسم میں بھی ایک طرح سے 'معنویت' کا فرق محسوس ہوتا ہے اور 'توحید' کے یہ اثرات اس کے روئیں روئیں سے پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔

لہٰذا انسان کا حقیقی اثاثہ تو وہ 'خودی' یا روح ہے نہ کہ مادی جسم جو کہ اس خودی کے لئے ایک خول سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

"MAN IN HIS INGNORANCE IDENTIFIES HIMSELF AS THE MATERIAL SHEATHS WHICH ENCOMPASS HIS REAL SELF." (UPANISHADS)

لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کے الفاظ ہی انسان کے باطن یا خودی کے فروغ اور بلندی کا سبب بنتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
خودی ہے تیغ، فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ایک زندہ و بیدار خودی کا سبب ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ'' کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ الفاظ انسان کے باطن میں جاگزیں ہو جائیں تو اوپر درج مثال کے مطابق انسان کا جسم بھی مادہ پرست

اورعقلیت پرست انسان کے جسم سے مختلف ہو جاتا ہےاوراس کی شخصیات میں ایک نہیں بلکہ کئی نئی DIMENSIONS پیدا ہو جاتی ہیں ایسی کیفیات ایک مادہ پرست انسان کے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہیں۔

علامہ اقبال اپنے فارسی کلام میں ایک جگہ کہتے ہیں

ے دم چیست پیام است شنیدی نشنیدی
در خاک تو یک جلوۂ عام است ندیدی
دیدن دگر آموز ____ شنیدن دیگر آموز

''انسانی سانس کا اندر جانا اور باہر آنا ایک پیغام ہے سنا اور سمجھا کہ نہیں تیرے خاکی وجود میں ایک نوری عنصر خودی موجود ہے اس کو تو نہیں دیکھ سکا اور سمجھ سکا (آنکھ کے علاوہ دل سے) دیکھنا سیکھو اور (کانوں کے علاوہ دل کے) کانوں سے سننا سیکھو'

''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ'' کے حرز جان بن جانے سے انسان کے اخلاق وکردار اور لائف سٹائل (LIFE STYLE) میں ایک زبردست تبدیلی آجاتی ہے اور وہ 'بندۂ' مولا صفات بن جاتا ہے اور تقرب الٰہی کی منازل طے کرتا ہے یہاں تک کہ ایسے 'خاص بندوں' کی ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی تلوار بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی جماعت کے ذریعے اپنے باغیوں اور نافرمانوں کی سرکوبی کرتا ہے۔

ے صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے ہر زماں جو اپنے عمل کا احتساب

ایسی جماعت دنیا میں حق کی علمبردار اور عدل وانصاف کے قیام کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدۃ۔ 8)

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو'

اور ایسی جماعت کے افراد کو کسی کی دشمنی اور دوستی یا ذاتی مفادات اور اغراض کسی بڑے 'حق' سے تو کیا چھوٹے حق سے بھی نہیں ہٹا سکتیں اور ایسی جماعت

وَ لَایَجرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا لَاتَعْدِلُوْا

''اورلوگوں کی دشمنی تم کواس بات پرآمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو''

ایسی جماعت ہی قرآن پاک کے نزدیک حزب اللہ کہلانے کی مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید اور PATRONAGE کے لائق۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اُس میں بھیجا ہے اور یہ سارا سلسلہ کون ومکان اور موت وحیات انسان کی آزمائش کے لئے امتحان گاہ ہے اور انسان کا اصلی گھر اور جگہ آخرت اور جنت ہے اور بصورت نافرمانی اور حق سے سرتابی اس کی سزا دوزخ ہے۔

اسی حق کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کو اپنا کلام عطا فرمایا تاکہ لوگ سیدھے راستہ پر رہ سکیں ان پیغمبروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت داوٴد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی تاکہ لوگ دور دراز علاقوں میں بھی استفادہ کرسکیں اگرچہ یہ کتابیں وقت کے ساتھ دنیا سے غائب ہوگئیں اور شرپسند فرعون صفت اور اللہ کے باغیوں نے از خود غائب کردیں تاآنکہ ـــــــــــــ اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور ان کو آخری اور مکمل کلام قرآن مجید عطا فرمایا ان پر نبوت کو مکمل کر کے ختم کردیا اور قرآن مجید کو لوگوں کی راہنمائی کے لئے قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔ 9)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

تمام پیغمبر بشیر ونذیر بن کر آئے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہم انسانوں کو من مانی کرنے اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے سے ڈراتا ہے اور آخرت کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔قرآن پاک یہ بھی حکم دیتا ہے کہ دنیا میں اپنی حقیقت کو پہچانو اور اللہ تعالیٰ کو پہچانو ـــــــــــــ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو پہچانو اور ایمان لاوٴ ـــــــــــــ تاکہ دنیا میں اللہ کی ناراضگی اور آخرت میں اللہ کے عذاب اور جہنم سے بچ سکو۔اس سلسلہ امتحان میں اللہ تعالیٰ نے شیطانِ لعین کو انسانوں کے

آزمانے کے لئے مہلت دے رکھی ہے کہ وہ اس کے سچے اور مخلص بندوں کو آزما کر دیکھ لے۔ یہ شیطان دنیاوی مفادات عیش وعشرت، بدمعاشی، بے حیائی کے جال ڈال کر انسانوں کو ہمیشہ راہِ حق سے برگشتہ کرتا آیا ہے اور آج بھی کر رہا ہے ـــــــــــ انسان کا امتحان ہی ہے کہ وہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو مان کر اللہ کی طرف آتا ہے اس کے رسولوں کو مانتا ہے اور آج حضرت محمد ﷺ اتباع کامل کرتا ہے اور قرآن مجید پر عمل کرتا ہے یا شیطان کے ورغلانے میں آ کر اللہ تعالیٰ سے بغاوت، پیغمبروں کا انکار، قرآن وسنت کا انکار کرتا ہے۔

دنیا میں بہت سے لوگ کم فہمی، نادانی اپنی فوری اغراض اور دنیاوی لذتوں کے لئے شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور خود بھی اس کے ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس عارضی گھر اور دنیاوی عیش وعشرت کی زندگی کے حصول ہی طرف بلاتے ہیں۔ اور آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

ایسے لوگ دنیا میں اللہ کی نافرمانی کو عام کرتے ہیں۔ پیغمبروں کا جزوی یا مکمل انکار کرتے ہیں حضرت محمد ﷺ کی باتوں اور احکام وسنن کا مذاق اڑاتے ہیں قرآن مجید کو مانتے ہیں بھی تو من مانی تاویلات کرتے ہیں تا کہ اس سے اپنے لئے دنیاوی عیش وعشرت کے ساتھ اور اطاعت خداوندی کی پابندیوں سے مبرّا زندگی کا جواز پیدا کیا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا ہمیشہ سے 'لَا اِلٰـہَ کے وارثوں' اور شیطان کے 'مریدوں' کے درمیان ایک میدان جنگ ہے

ؔ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرر ابولہبی

اہل حق کبھی ستانے اور آرام کرنے کا سوچتے ہوں ـــــــــــ شیطان اور اس کی ذریت کبھی چین سے نہیں بیٹھتے اور شر کو عام کرنے اور حق کا راستہ روکنے کا کام تندہی سے کرتے رہتے ہیں بلکہ ـــــــــــ اللہ کے نافرمان عام لوگ اور خواص، بادشاہ اور عوام، اہل علم اور دانشور سب شیطان کے مرید بن کر دنیا میں ظلم، خوف، ناانصافی، بھوک، افلاس، محرومی کو عام کرنے میں ایڑی جوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔

اسی تگ و دو کا مظہر ہے کہ دنیا میں مظاہر پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا عوام کو اعلیٰ نظریات سے ہٹا کر مادی نظریات اور شرک پر آمادہ کر دیا گیا ———— پھر بااثر لوگ بادشاہ کہلائے اور خدائی کے دعوے کرنے لگے فرعون اور نمرود اسی طبقے کے نمائندے تھے۔ اور ایسے خدائی کے دعویدار ہر دور میں خلق خدا کو گمراہ کرنے اور لوٹنے کے لئے سامنے آتے رہے ہیں آج کا دور بھی یقیناً ایسے فرعونوں اور نمرودوں سے خالی نہیں ہے، ان فرعونوں اور خدائی کے دعویداروں نے اپنے گرد ایسے دانشور اور اہل علم جمع کر لئے ہوتے ہیں جو غلط اور بے بنیاد فکر اور نظریے کو بھی حق ثابت کر کے عوام کو دھوکہ دینے کے ماہر ہوتے ہیں اور وہ ایسا کر کے دکھا دیتے ہیں، اکبر مغل اعظم ہو یا اپنے آپ کو دربار میں سجدہ کرانے والے دوسرے بادشاہ، متکبر جاگیردار ہوں یا بے دین سرمایہ دار ہر ایسا شخص اسی آل فرعون قبیلہ کا ایک فرد ہوتا ہے۔

ہر دور کے ظالم اور جابر بادشاہ اور خدائی کے دعوے دار اہل حق کو دباتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں اور اپنے عوام کو بھی لوٹ کر بے حال کر دیتے ہیں ٹھیک یہی وقت ہوتا ہے جب مشیت ایزدی اہل حق کو آگے کرتی ہے اور معرکۂ خیر و شر برپا ہو جاتا ہے۔

فرعون اور نمرود تو دنیا میں ہر دور رہے ہیں تاہم ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ '' کے ماننے والے بھی کبھی ان فرعونوں اور نمرودوں کے سامنے نہیں جھکے 'ہر فرعونے را موسیٰ' کا محاورہ ایسے ہی نہیں بن گیا۔ اللہ تعالیٰ 'حزب اللہ' کو اٹھاتا ہے اس کی مدد کرتا ہے اور جب دنیا ظلم و ستم، ناانصافی اور بھوک افلاس سے بھر جاتی ہے تو اہل حق نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں چنانچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت اور 'لا الٰہ کے وارثوں' کا طریقہ چلا تا رہا ہے کہ وہ وقت کے فرعونوں کے سامنے کلمہ حق کہتے چلے آئے ہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے خود بھی وقت کے فرعونوں کو للکارا اور کلمۂ حق کہا اور یہ ہدایت بھی فرمائی کہ

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر (مسند احمد عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

''سب سے فضیلت والا جہاد، ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی اسی سنت ثابتہ کا بھی ذکر فرمایا ہے:

وَ نُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّ

نَجعَلَهُمُ الوٰرِثِينَ وَ نُمَكِّنَ لَهُمُ فِی الاَرضِ وَ نُرِیَ فِرعَونَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا مِنهُم مَّا كَانُوا يَحذَرُونَ (القصص۔5-6)

''اور ہم چاہتے ہیں اور چاہیں گے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوائی کے منصب پر بٹھادیں ابنائیں اور انہیں ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے''

شیطانی قوتیں اور اس کے نمائندے فرعون و نمرود اور ظالم و لٹیرے باحیثیت لوگ دنیا میں ہمیشہ سے ہیں اور اہل حق بھی۔ جب تک ظلم ابتدائی درجوں میں ہوتا ہے تو اہل حق ـــــــــــ صرف وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کا سہارا لیتے ہیں تاہم جب ظلم حد سے بڑھنے لگتا ہے اور خلق خدا ـــــــــ الامان الامان ـــــــــ پکار اٹھتی ہے تو اللہ تعالیٰ ''لَا اِلٰـہَ'' کے وارثوں کو آگے بڑھنے کا موقع دے دیتے ہیں جب کہ ـــــــــ وقت کے فرعونوں اور نمرودوں وہ کچھ دکھا دیتے ہیں جس سے وہ ڈر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی ان کا اقتدار ختم کر کے ان ذلت و رسوائی سے دوچار کر کے اہل حق کے ہاتھوں عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حزب اللہ کو حق کا کوڑا بنا کر باطل پر دے مارتے ہیں جس سے اُس کا بھیجا نکل جاتا ہے اور باطل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

بَل نَقذِفُ بِالحَقِّ عَلَی البَاطِلِ فَيَدمَغُهٗ (الانبیاء۔18)

''(نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے''

تاریخ میں ایک وقت تک حق کے علمبردار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے حواری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوتے تھے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کام اب اہل ایمان کے ذمے ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والوں کے کاندھوں پر اس کٹھن ذمہ داری کا بار گراں ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ قیام پاکستان کے بعد میدان عمل میں آنے والی دو نسلیں اپنی اس ذمہ داری کو کما حقہٗ ادا نہیں کر سکیں اور 1947ء میں جو نفاذ نظام خلافت کے تحت کفالت عامہ کے حسین تصورات تھے اور عوامی جذبات کا ایک سمندر تھا اس کو آگے بڑھا کر طوفان نہیں بنا سکے وہ

ملک جس کا نعرہ ہی یہ تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''

ہم بحثیت قوم اس کے مجرم ہیں کہ ہم نے اپنے ''مقصد حیات'' اور ''مقصد وجود'' سے منہ موڑا ـــــــــ ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' اور ''راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا'' کے سراب میں گم ہو گئے۔ ہم اپنی فروگزاشتوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اس پر شرمندہ ہیں نیز اللہ تعالیٰ کے حضور بھی معافی مانگتے ہیں اور اپنے نوجوانوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ پاکستان کی ڈوبتی کشتی کا سہارا بنیں اور اس کو منزل مراد پر پہنچا دیں۔

ہماری دلی دعا آپ کی کامیابی ہے بقول اقبال

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

ابھی اہل حق کے چند ناتواں سے قافلے ان پُر خطر اور مہیب راستوں پر گامزن ہیں ـــــــــ آج اسے نفاذ نظام مصطفیٰ، اسلامی انقلاب اور نظام خلافت کے نام سے پہنچانا جاتا ہے۔

اس راہ کے مسافروں کے لئے کئی سنگ ہائے میل ہیں جن کی پہنچان ضروری ہے اور توشہ سفر ہے جو لازمی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں ـــــــــ اور اپنا اپنا جائزہ لیتے ہیں کہ

(1) کیا میں اس راستے کا مسافر ہوں؟ کیا شیطانی قوتیں مجھے اپنا حمایتی سمجھتی ہیں یا مخالف؟

(2) کیا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو پوری طرح سمجھ کر اور اس کے تقاضے ذہن نشین کر کے شریک سفر ہوں؟

(3) کیا اپنی ذمہ داریاں صحیح طریقے پر آخرت کی جوابدہی کے احساس کے تحت ادا کر رہا ہوں۔

(4) کیا اس راستے میں جان و مال کے ساتھ حاضر ہوں۔

(5) کیا میں اسی نقطۂ نظر کی تبلیغ کر رہا ہوں اور دوسرں کو نصیحت کا حق خیر خواہی ادا کر رہا ہوں۔

(6) کیا اس سلسلے میں، میں کسی اجتماعیت سے منسلک ہوں جو دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جد و جہد کر رہی ہو اور دنیا میں عدل، اخوت اور مساوات کے سنہری اصولوں پر معاشرے کو قائم کر کے کفالت عامہ کا انتظام کرنا چاہتی ہو، تا کہ حضرت محمد ﷺ کی شان رحمت العالمینی ظاہر ہو اور مسلم و غیر مسلم سب اس کی برکات سے بہرہ یاب ہو سکیں۔

اگر جواب ہاں میں ہے تو مبارکباد ہے اور نہیں تو خوب سوچ بچار کے ساتھ دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے مناسب اجتماعیت کو تلاش کر کے اس میں شامل ہونا ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اس راستے پر جان و مال لٹا دینے کے جذبے سے آگے بڑھنا لا الہٰ کے وارثوں پر حسب استطاعت لازم ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ (آمین)

حیرت انگیز سائنسی انکشافات (2)

بے شک جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کریم کی ابتدا ہے

انجینئر سلطان بشیر محمود

18۔ زمین پر فضائی حفاظتی حصار

بیسویں صدی میں سائنس نے یہ بہت اہم دریافت کی کہ زمین کے اوپر تہ در تہ حفاظتی حصار (PROTECTIVE LAYER) کا سلسلہ ہے جو ہمارے لئے چھت کا درجہ رکھتا ہے یہ فضائی چھت آسمانوں کی طرف سے گرنے والے میٹرائٹ (METERIOTS) اور خطرناک شعاعوں کو زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی روک لیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین پر کسی طرح کی زندگی بھی ناممکن ہوتی۔ بلکہ یہ بھی سورج کے خاندان کے دیگر سیاروں کی مانند ایک مردہ چٹیل میدان ہوتی۔ یہ چھت سات کرّوں پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین ہوائی کرہ، مقناطیسی کرہ، اوزون کرہ شامل ہیں ان کے بغیر دوسری دنیا سے آنے والی شعاعیں اور ذرات ہمیں بھون کر رکھ دیتے۔

سبحان اللہ قرآن کریم نے صدیوں پہلے بتایا:

وَجَعَلْنَاالسَّمَآءَ سَقْفًامَحْفُوظًا O (الانبیاء۔32)

''اور ہم نے آسمان مانند ایک محفوظ چھت کے بنایا''

اور پھر سورۃ النباء کی آیت 12 میں وضاحت فرمائی کہ یہ چھت سات مضبوط طبقات پر مشتمل ہے۔

وَ بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا O

''اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط رکاوٹیں (BARRIER) بنائی ہیں''

سائنس کا یہ کمال ہے کہ بیسویں صدی کی تحقیقات کے نتیجے میں ان سات مضبوط رکاوٹوں کو تفصیل سے سمجھا گیا ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو پھر بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم وحی الٰہی

نہیں۔

19۔حرارت کا دوسرا قانون

حرارت کا دوسرا قانون (2ND LAW OF TERMODYNAMICS) سائنس کا بنیادی قانون ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ہر چیز مسلسل اپنی موت کی طرف بڑھ رہی ہے، نظام (ORDER) خود بخود بے نظامی (DISORDER) میں بدلتا جاتا ہے۔ اگر روکا نہ جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ ہر توازن (STABILITY) فساد (UNSTABILITY) کی نظر ہو جائے گا، اگر بیرونی عوامل کی مدد سے اصلاح نہ ہوتی رہے تو ہر چیز سویر یا بدیر تباہ و برباد ہو جائے گی اس لئے کہ خرابی (ENTROPY) مسلسل عمل ہے۔

یقیناً کائنات کو سمجھنے کے لئے سائنس کی یہ ایک قابل فخر دریافت ہے لیکن سائنسدان کے لئے یہ بات چونکا دینے والی ہے کہ قرآن کریم نے ان سے بہت پہلے دنیا کو یہ اصول دیا کہ ثبات صرف اللہ کی ذات پاک کے لئے ہے باقی سب کچھ مٹ جانے والا ہے۔ فرمایا:

كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ (الرحمٰن۔26)

یعنی کائنات میں ہر چیز بلا استثنا فنا ہو جانے والی ہے۔ (الا ماشااللہ۔ مگر جو اللہ چاہے)

20۔ ماحول کی حفاظت

پچھلی چند صدیوں سے صنعتی اور سائنسی ترقی کو استعمال کرتے ہوئے یورپی اور امریکی اقوام نے جس بے رحمی سے زمینی ماحول کو نقصان پہنچایا ہے اب اس سے انسان کی اپنی بقا خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ ہزاروں قسم کی نباتاتی اور حیواناتی زندگی ناپید ہو چکی ہے۔ ماحول کی اس قدر خرابی کے بعد اب جا کر دنیا میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زمینی ماحول کو خراب ہونے سے بچایا جائے ورنہ زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ افسوس کہ انسانیت نے قرآن مجید کو نظر انداز کر رکھا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے انسان کو وارننگ (WORNING) دی تھی:

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ O (7-85)

”اب جبکہ زمین کی اصلاح ہو چکی ہے اس میں فساد برپا نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا

اگر تم ایمان والے ہو“

یعنی زمین میں موجود توازن کو خراب نہ کرو۔ اور یہی حکم سورۃ البقرہ آیت 11، سورۃ الاعراف آیت 56 میں بھی دیا گیا ہے:

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ O

”اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس (اللہ) سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت طلب کرتے ہوئے (اصلاح کے لئے) دعا کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماحول کو خراب کرنا نہ صرف ایک ظلم ہے بلکہ ایک بہت بڑا جرم بھی ہے جس کی سزا سے ماسوائے اللہ کے اور کوئی نہیں بچا سکتا۔

21۔سمندروں کے اندر برزخی حصار

سائنس نے پچھلی صدی میں گہرے سمندر پر تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر میٹھے اور کھارے پانی کے دریا، ٹھنڈے اور گرم پانی کی انہار ساتھ ساتھ بہتی ہیں، لیکن پھر بھی جدا جدا ہیں۔ یہ بات سائنسدانوں کے لئے حیران کن ہوگی کہ ان کی ان دریافتوں سے پہلے کتاب اللہ میں بتایا جا چکا تھا:

مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیٰنِ O بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ (الرحمٰن۔20,19)

یعنی (اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں) رواں کیے ہیں دو دریا جو پاس پاس ہیں، ان کے درمیان ایک پردہ ہے کہ وہ آپس میں ملتے نہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے قرآن کے طالب علم کے لئے اس آیت پاک کو سمجھنا مشکل تھا لیکن جدید بحری تحقیقات نے یہ مشکل آسان کر دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ سمندروں کی گہرائیوں میں میٹھے اور نمکین پانی، گرم اور ٹھنڈے پانی کے دریا باوجود اس کے کہ ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں آپس میں کچھ غیبی رکاوٹوں کی وجہ سے اپنا وجود علیحدہ علیحدہ برقرار رکھتے ہیں۔

22۔سمندروں کی گہرائیوں میں اندھیرا

پروفیسر درگاراؤ دنیا کے جانے پہچانے ماہر بحری ارضیات ہیں اور وہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ (سعودی عرب) میں پروفیسر بھی رہ چکے ہیں (   ) ان سے درج ذیل آیت مبارکہ پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا گیا:

اَوۡ کَـظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰہُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ مَوۡجٌ مِنۡ فَوۡقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُھَا فَوۡقَ بَعۡضٍ اِذَآ اَخۡرَجَ یَدَہٗ لَمۡ یَکَدۡ یَرٰھَا وَ مَن لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَالَہٗ مِنۡ نُوۡرٍ (النور۔40)

''یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے، آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔ اللہ جسے نور نہ بخشے اس کے لئے پھر کوئی نور نہیں''۔

پروفیسر راؤ نے کہا کہ سائنس دان صرف حال ہی میں جدید آلات کی مدد سے یہ تصدیق کرنے کے قابل ہوئے ہیں کہ سمندر کی گہرائیوں میں تاریکی ہوتی ہے۔ یہ انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ 20 یا 30 میٹر سے زیادہ گہرائی میں اضافی ساز و سامان اور آلات سے لیس ہوئے بغیر غوطہ لگا سکے۔ علاوہ ازیں، انسانی جسم میں اتنی قوت برداشت نہیں کہ جو 200 میٹر سے زیادہ گہرائی میں پڑنے والے آبی دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے۔ یہ آیت مبارک تمام سمندروں کی طرف اشارہ نہیں کرتی کیونکہ ہر سمندر کو پرت در پرت تاریکی کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ یہ آیت مبارکہ بطور خاص گہرے سمندر کی جانب متوجہ کرتی ہے کیونکہ قرآن پاک کی اس آیت میں بھی ''وسیع اور گہرے سمندر کی تاریکی'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔

عام روشنی کی ایک شعاع سات رنگوں سے مل کر بنتی ہے، یہ سات رنگ بالترتیب بنفشی، کاسنی، نیلا، سبز، پیلا، نارنجی، سرخ (VEBGYOR) ہیں۔ روشنی کی شعاع جب پانی میں داخل ہوتی ہے تو انعطاف (REFRACTION) کے عمل سے گزرتی ہے۔ اوپر کے دس سے پندرہ میٹر کے دوران پانی میں سرخ رنگ جذب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی غوطہ خور پانی میں پچیس میٹر کی گہرائی تک جا پہنچے اور زخمی ہو جائے تو وہ اپنے خون میں سرخی نہیں دیکھ پائے گا کیونکہ سرخ رنگ کی

روشنی اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس طرح 30 سے 50 میٹر تک کی گہرائی آتے آتے نارنجی (اورنج) روشنی بھی مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہے، پیلی روشنی 50 سے 110 میٹر تک، سبز روشنی 100 سے 200 میٹر تک، نیلی روشنی 200 میٹر سے کچھ زیادہ اور کاسنی اور بنفشی روشنی اس سے بھی کچھ گہرائی تک پہنچتے پہنچتے مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہیں۔ پانی میں رنگوں کے اس طرح ترتیب وار غائب ہونے کی وجہ سے سمندر بھی تہ در تہ کر کے تاریک ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی اندھیرے کا ظہور بھی روشنی کی پرتوں (LAYERS) کی شکل میں ہوتا ہے۔ 1000 میٹر سے زیادہ کی گہرائی میں مکمل اندھیرا ہوتا ہے (بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک، ''قرآن اور سائنس''/اوشنز از: ایلڈر اور پرنیٹا صفحہ 27)

23۔نوع انسانی کے لئے شفا

شہد کی مکھی کئی طرح کے پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے اور اسے اپنے ہی جسم کے اندر شہد میں تبدیل کرتی ہے۔ اس شہد کو وہ اپنے چھتے کے بنے خانوں (CELLS) میں جمع کرتی ہے۔ آج سے صرف چند صدیوں قبل ہی انسان کو یہ معلوم ہوا ہے کہ شہد اصل میں شہد کی مکھی کے پیٹ (BELLY) سے نکلتا ہے۔ مگر یہ حقیقت قرآن پاک نے 1400 سال پہلے درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان کر دی تھی:

ثُمَّ كُلِىُ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً يَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ O (النحل۔69)

''ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس، اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہ پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے پیٹ کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے' جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں''

یہ حقیقت جو قرآن کریم میں صدیوں پہلے بتائی گئی تھی میڈیکل سائنس نے حال ہی میں تسلیم کیا کہ شہد میں واقعی شفا بخش خصوصیات پائی جاتی ہیں اور یہ اوسط درجہ کے دافع عفونت (مائلڈ اینٹی سیپٹک) کا کام بھی کرتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روسیوں نے بھی اپنے زخمی فوجیوں

کے زخم ڈھانپنے کے لئے شہد کا استعمال کیا تھا۔ شہد کی خاصیت ہے کہ یہ نمی کو برقرار رکھتا ہے اور بافتوں پر زخموں کے بہت ہی کم نشان باقی رہنے دیتا ہے، شہد کی کثافت (DENSITY) کے باعث کوئی پھپھوندی یا جراثیم، زخم میں پروان نہیں چڑھ سکتے۔

سسٹر کیرول نامی ایک عیسائی راہبہ (NUN) نے برطانوی شفاخانوں میں سینے اورالزائیمر کے عارضوں میں مبتلا بائیس 22 ناقابل علاج مریضوں کا علاج پروپولس (PROPOLIS) نامی مادہ سے کیا۔ شہد کی مکھیاں یہ مادہ پیدا کرتی ہیں اور اسے اپنے چھتوں کو جرثوموں کے خلاف سربند (SEAL) کرنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی پودے سے ہونے والی الرجی میں مبتلا ہو جائے تو اسی پودے سے حاصل شدہ شہد اس شخص کو دیا جا سکتا ہے تا کہ وہ الرجی کے خلاف مزاحمت پیدا کر لے۔ شہد وٹامن کے اور وکٹوز (ایک طرح کی شکر) سے بھی بھرپور ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں شہد، اس کی تشکیل اور خصوصیت کے بارے میں جو علم دیا گیا ہے اسے انسان نے نزول قرآن کے صدیوں بعد اپنے تجربے اور مشاہدے سے دریافت کیا۔

(بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک ''قرآن اور سائنس'' صفحہ 57)

24۔ جنینیات (EMBRYOLOGY)

قرآن کریم میں انسان کی پیدائش سے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں وہ جدید سائنس کے لئے بھی حیران کن ہیں۔ انہیں سائنسی علوم کے حوالے سے سمجھنے کے لئے 1970ء کی دہائی میں یمن کے معروف عالم، شیخ عبدالمجید الزندانی کی قیادت میں مسلمان اسکالروں کے ایک گروپ نے جنینیات (EMBRYOLOGY) کے بارے میں قرآن پاک اور مستند احادیث سے معلومات جمع کیں اور انہیں انگریزی میں ترجمہ کیا۔ پھر انہوں نے قرآن پاک کے ایک مشورے پر عمل کیا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ O (النحل۔43)

''اے نبی! ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی

طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے''

جب قرآن پاک اور مستند احادیث مبارکہ سے جنینیات کے بارے میں حاصل کی گئی معلومات یکجا ہو کر انگریزی میں ترجمہ ہو گئیں تو انہیں پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر کیتھ مور، یونیورسٹی آف ٹورانٹو (کینیڈا) میں ڈپارٹمنٹ آف اناٹومی کے سربراہ اور جنینیات کے پروفیسر ہیں۔ آج کل وہ جنینیات کے میدان میں مقتدر اور معتبر ترین شخصیت ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور نے جنینیاتی معلومات سے متعلق قرآن وحدیث سے حاصل شدہ مواد پر تقریباً 80 سوالوں کے جوابات دیے، قرآن مجید میں جنینیات کے حوالے سے موجود علم صرف جدید سائنسی معلومات سے ہم آہنگ ہی نہ تھا بلکہ بقول ڈاکٹر کیتھ مور آج سے 30 سال پہلے مجھ سے یہی سب سوالات کیے جاتے تو سائنسی معلومات کی عدم موجودگی کے باعث میں ان میں سے آدھے سوالات کے جوابات بالکل بھی نہیں دے سکتا تھا۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر جو سمپسن، بیلر کالج آف میڈیسن، ہیوسٹن (امریکہ) میں شعبہ حمل وزچگی (آبسٹیٹرکس اینڈ گائنا کالوجی) کے چیئر مین ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

> ''احادیث (محمد ﷺ کی کہی ہوئی باتیں) کسی بھی طرح مصنف کے زمانے (ساتویں صدی عیسوی) میں دستیاب سائنسی معلومات کی بنیاد پر پیش نہیں کی جاسکتی تھیں، اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ جنینیات (GENETICS) اور مذہب (یعنی اسلام) میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن میں ایسے بیانات موجود ہیں جن کی توثیق کئی صدیوں بعد ہوئی، جس سے اس (یقین) کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن کریم میں دیا گیا علم واقعی خدا کی طرف سے آیا ہے''۔

25۔ تین تاریک پردوں کی حفاظت میں رکھا گیا بطن

ماں کے بطن میں بچے کی پرورش اور رحم مادر کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ

فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَہُ الۡمُلۡکُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ O(الزمر۔6)

’’اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے اور وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا ربّ ہے، بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے۔ پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو‘‘۔

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے مطابق، قرآن پاک میں تاریکی کے جن تین پردوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

- ☆ شکم مادر کی اگلی دیوار
- ☆ رحم مادر کی دیوار
- ☆ غلاف جنین اور اس کے گرد لپٹی ہوئی جھلی

امریکہ میں چوٹی کے ایک سائنسدان پروفیسر مارشل جونس سے (جو فلاڈلفیا میں واقع تھومس جیفرسن یونیورسٹی میں اناٹومی ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ اور اسی یونیورسٹی میں ڈینٹل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں) یہ کہا گیا ہے کہ وہ جنینیات کے حوالے سے آیات قرآنی پر تبصرہ کریں۔ پہلے انہوں نے کہا کہ متعدد جنینی مراحل کو بیان کرنے والی قرآنی آیات کسی بھی طرح اتفاق کا حامل نہیں ہوسکتیں، اور ہوسکتا ہے کہ محمد ﷺ کے پاس بہت ہی طاقتور خردبین رہی ہو۔ جب انہیں یہ یاد دلایا گیا کہ قرآن کریم کا نزول 1400 سال پہلے ہوا تھا اور دنیا کی اولین خردبین بھی حضرت محمد ﷺ کے سینکڑوں سال بعد ایجاد ہوئی تھی، تو پروفیسر جونس ہنسے او یہ تسلیم کیا کہ ایجاد ہونے والی اولین خردبین بھی دس گنا سے زیادہ بڑی شبیہ دکھانے کے قابل نہیں تھی اور اس کی مدد سے واضح (خردبینی) منظر بھی دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے کہا: ’’سردست مجھے اس تصور میں کوئی تنازع دکھائی نہیں دیتا کہ جب محمد ﷺ نے قرآن پاک کی آیات پڑھیں تو اس وقت یقیناً کوئی آسمانی (الہامی) قوت بھی ساتھ میں کارفرما تھی‘‘۔ (بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک ’’قرآن اور

سائنس،صفحہ 71-61‘‘)

26۔ نشاناتِ انگشت(FINGER PRINTS)

نشاناتِ انگشت (FINGER PRINTS) ہر انسان کا امتیازی نشان ہیں کوئی بھی دو آدمی نہیں جن کے فنگر پرنٹس ایک جیسے ہوں۔اس سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَجۡمَعَ عِظَامَهٗ O بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ O (القیامۃ۔3-4)

’’کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں‘‘۔

کفار اور ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مرجانے کے بعد مٹی میں مل جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں تک خاک کا پیوند ہو جاتی ہیں،تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے روز اس کے جسم کا ایک ایک ذرہ دوبارہ یکجا ہو کر پہلے والی (زندہ) حالت میں واپس آجائے۔ اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو روزِ محشر اس شخص کی ٹھیک ٹھیک شناخت کیونکر ہوگی؟ رب ذوالجلال نے مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں اسی اعتراض کا بہت واضح جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) صرف اسی پر قدرت نہیں رکھتا کہ ریزہ ریزہ ہڈیوں کو یکجا کر دے بلکہ اس پر بھی قادر ہے کہ ہماری انگلیوں کی پوروں تک کو دوبارہ سے پہلے والی حالت میں ٹھیک لے آئے۔

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کریم انسانوں کی انفرادی شناخت کی بات کر رہا ہے تو ’’انگلیوں کی پوروں‘‘ کا خصوصیت سے تذکرہ کیوں کر رہا ہے؟ سر فرانس گالٹ کی تحقیق کے بعد 1880 میں نشاناتِ انگشت (فنگر پرنٹس) کو شناخت کے سائنسی طریقے کا درجہ حاصل ہوا۔آج ہم یہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی بھی افراد کی انگلیوں کے نشانات کا نمونہ ایک جیسا نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ ہم شکل جڑواں افراد کی بھی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں مجرموں کی شناخت کے لئے ان کے فنگر پرنٹس ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ آج سے 1400 سال پہلے کس کو نشانات انگشت کی انفرادیت کے انفرادیت کے بارے میں معلوم تھا؟ یقیناً یہ علم رکھنے والی ذات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی نہیں

ہوسکتی تھی۔(بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک ''قرآن اور سائنس،صفحہ 75)

27۔جلد میں درد کے آخذے(RECEPTORS)

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ محسوسات اور درد وغیرہ کا انحصار صرف دماغ پر ہوتا ہے؛البتہ حالیہ دریافتوں سے یہ معلوم ہوا کہ جلد میں درد کو محسوس کرنے والے آخذے (RECEPTORS) ہوتے ہیں۔اگر یہ خلیات نہ ہوں تو انسان درد کو محسوس کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

جب کوئی ڈاکٹر کسی مریض میں جلنے کے باعث پڑنے والے زخموں کا معائنہ کرتا ہے تو وہ جلنے کا درجہ (شدت) معلوم کرنے کے لئے (جلے ہوئے مقام پر) سوئی چبھو کر دیکھتا ہے۔اگر سوئی چبھنے سے متاثر شخص کو درد محسوس ہوتا ہے تو ڈاکٹر کو اس پر خوشی ہوتی ہے؛ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جلنے کا زخم صرف باہر کی حد تک ہے اور درد محسوس کرنے والے خلیات (درد کے آخذے) محفوظ ہیں۔اس کے برخلاف، اگر متاثر شخص کو سوئی چبھنے پر درد محسوس نہ ہو تو یہ تشویشناک امر ہوتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلنے سے بننے والے زخم کی گہرائی زیادہ ہے اور درد کے آخذے بھی مردہ ہو چکے ہیں۔

درج ذیل آیات مبارکہ میں قرآن کریم نے بہت واضح الفاظ میں درد کے آخذوں کی موجودگی کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡہِمۡ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُہُمۡ بَدَّلۡنٰہُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَہَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا O

''جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے''۔(النساء۔56)

تھائی لینڈ میں چیانگ مائی یونی ورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف اناٹومی کے سربراہ پروفیسر تیگا تات تیجاسان نے درد کے آخذوں پر تحقیق میں بہت وقت صرف کیا ہے۔پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ قرآن کریم نے 1400 سال پہلے اس سائنسی حقیقت کا انکشاف کر دیا ہوگا۔

بعدازاں جب انہوں نے مذکورہ آیت قرآنی کے ترجمے کی باقاعدہ تصدیق کر لی تو وہ قرآن پاک کی سائنسی درستگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں منعقدہ آٹھویں سعودی طبی کانفرنس کے موقع پر (جس کا موضوع ''قرآن پاک اور سنت میں سائنسی نشانیاں'' تھا) انہوں نے بھرے مجمع میں فخر وانبساط کے ساتھ کہا: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ''اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں (اور) محمد ﷺ اللہ اس کے رسول ہیں''۔ (بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک ''قرآن اور سائنس، صفحہ 76)

28۔ مخلوقات لاانتہا ہیں

زیادہ دیر نہیں گزری کہ جب انسان کا 'کائنات کا تصور' صرف زمین تک محدود تھا اور علم کی حد ان کے لئے وہی تھی جو وہ دریافت کر چکے تھے۔ سب سے پہلے کائنات کی رفعت اور لاانتہا کو دیکھتے ہوئے مشہور سائنسدان نیوٹن نے کہا تھا کہ ''میرا حال اس بچے کا سا ہے جو سمندر کے کنارے ریت کے گھروندے سے کھیل رہا ہے دریافتوں کے لئے گہرا سمندر میرے سامنے ہے''۔ قرآن نے صدیوں پہلے بتایا تھا کہ

> ''اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بن جائیں اور اس کے بعد سمندر اور بھی ہوں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ یقیناً اللہ عزت والا حکمت والا ہے'' (31-27)

مطلب ظاہر کہ اللہ تعالی کی مخلوقات کی کوئی انتہا نہیں۔ ان تک کلی رسائی انسان کے لئے کبھی بھی ممکن نہیں ہوگی۔ جب تک تحقیق کا عمل جاری رہے گا ہر روز اللہ تعالیٰ کی نئی باتیں سامنے آئیں گی۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ جب انسان کی فکر بڑی محدود تھی، اس کی دنیا بڑی چھوٹی تھی، پہلی دفعہ اس نے انسانی سوچ کو لامحدود رفعت عطا کی۔ آج سائنس کی لامحدود جستجو اسی کا نتیجہ ہے اور یقین ہونا چاہیے کہ دریافت کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

29۔ شمسی اور قمری سالوں کا حساب' جو بیسویں صدی میں دریافت ہوا

قمری سال اور شمسی سال میں بالکل صحیح (EXACT) تعلق کیا ہے، یہ بیسویں صدی کی دریافت ہے یہ اس وقت ممکن ہوا جب سورج اور چاند کے مدار پر ان کی صحیح رفتار کا پتہ چلایا گیا اور

نہایت قابل اعتبار (ACCURATE) کلاک کے ذریعہ وقت کی پیائش کی دسترس حاصل ہوئی۔ان ایجادات اور سائنسی دریافتوں کے نتیجہ میں آج ہم جانتے ہیں کہ ایک شمسی سال 365 دن نہیں بلکہ 365.2422 دن کے برابر ہے اور ایک قمری سال 354.60394 دن ہوتے ہیں۔اس حساب کی درستگی (ACCURACY) کا اندازہ آپ اعشاریہ کے بعد آنے والے اعداد سے لگا سکتے ہیں۔

انہی دریافتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک قمری مہینہ میں 29.550329 دن ہوتے ہیں۔ قمری اور شمسی سال میں اس قدر درست حسابی تعلق کی دریافت بیسویں صدی کا کمال ہے۔

اب ذرا قرآن کریم کی طرف آیئے۔اگر آپ کو بتایا جائے کہ اس کتاب میں قمری اور شمسی سال میں جو تعلق بیسویں صدی کے آخر میں جا کر معلوم ہوا ہے، وہ 1400 سال پہلے ہی اس میں لکھ دیا گیا تھا تو آپ اس بات کو تسلیم کریں گے؟ ایمان داری سے فیصلہ کریں کہ کیا آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کو سورج اور چاند کے متعلق اس درجہ کے درست حساب کا علم تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید کسی حساب دان کو پتہ ہو کہ چاند کا سال 355 دنوں کا ہوتا ہے اور سورج کے حساب سے 365 دنوں کا ہوتا ہے لیکن اعشاریہ کے درجوں تک درست حساب کا تو اس وقت کیا انیسویں صدی میں بھی کسی کو پتہ نہیں تھا۔آیئے اب دیکھیں کہ قرآن کریم میں ان دونوں کے بارے میں کیا تعلق بتایا گیا ہے۔

اس کے لئے قرآن کریم کی سورۃ الکھف کی آیت نمبر 7 سے 26 تک غور فرمائیں۔ اصحابِ کہف چند مسلمان نوجوان تھے جو اس وقت کا فر حکمران کے تشدد سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے جہاں وہ ایک لمبی مدت گہری نیند سوئے رہے۔جب اللہ تعالی نے انہیں دوبارہ اٹھایا تو زمانہ بدل چکا تھا۔اس وقت سے یہ بحث چلی آرہی تھی کہ وہ غار میں کتنا عرصہ سوتے رہے؟ کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ۔بالآخر یہی سوال یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹیسٹ لینے کے لئے پوچھا تو اللہ تعالی نے نہایت واضح الفاظ میں بتایا کہ وہ اس حالت میں 300 سال (شمسی) جو کہ 309 سال قمری کے برابر ہوتے ہیں، رہے۔ذرا وحی الٰہی پر غور فرمایئے:

وَ لَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَ ازۡدَادُوۡا تِسۡعًا(الکھف۔25)

''اور وہ ٹھہرے اپنے غار میں (شمسی تقویم کے مطابق) تین سو 300 سال اور (اگر قمری تقویم لحاظ سے پوچھتے ہو تو) نو 9 زائد کرلو''

اس کے بعد فرمایا کہ

قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ (25)15،

''آپ فرما دیں اللہ خوب جانتا ہے جتنا وہ ٹھہرے۔ اس کے لئے ہیں آسمان اور زمین کے سب غیب (کی باتیں)، وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی والی نہیں''

یوں اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت دونوں شمسی اور قمری حسابوں کے مطابق بتا دی۔ یعنی اگر شمسی میں پوچھتے ہو تو یہ 300 سال تھے اور قمری میں چاہتے ہو تو یہ 309 سال تھے۔

اب قرآن کریم کے اس تقویمی حساب کو جدید ترین شمسی اور قمری سالوں کے درمیان جو تعلق معلوم ہوا ہے اس حساب سے چیک کرو اور آخری اعشاریہ تک دیکھو کہ کیا اس حساب میں کوئی فرق ہے؟

300 سال شمسی میں دن 300 x 365.2422 = 109572.66 دن ہوتے ہیں۔

309 سال قمری میں دن 309 x 354.60394 = 109572.66 دن ہوتے ہیں۔

سبحان اللہ! سائنس کے جدید ترین حساب اور قرآن کریم کے حساب میں کس قدر آخری اعشاریہ کی حد تک بھی صحیح صحیح مطابقت پائی گئی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہے؟ اگر ایک عام سی بات کہ اصحابِ کہف 300 سال شمسی یا 309 سال قمری کی مدت تک غار میں سوئے رہے، اس قدر درست اور صحیح طریقہ سے بتائی گئی ہے تو قرآن کریم کی حیات بعد الموت کی باتوں پر آپ کیسے شک کر سکتے ہیں؟ صرف وہی کریں گے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہدایت کی توفیق کھو چکے ہیں۔

30۔ ارضی جغرافیہ کے متعلق معجزانہ حساب

سمندروں اور خشکی کی نسبت

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمین کا 75% حصہ پانی ہے اور 25% حصہ خشکی ہے لیکن سائنسی طور پر یہ بات صحیح نہیں۔ دراصل جدید ترین سائنسی دریافتوں کے بعد پتہ چلا ہے کہ کرہ ارض پر 71.11111 حصہ پانی ہے اور 28.88888 حصہ خشکی ہے۔ یہ وہ جدید ترین حساب ہے جس کا صحیح صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب خلا سے زمین کی تصویریں لی گئیں اور جغرافیہ والوں نے ایسی ہزاروں تصویروں کی جمع تفریق کو جدید کمپیوٹروں کے ذریعے پرکھا۔ اب آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کی طرف متوجہ ہوں اور تعصب کو چھوڑ کر ایمانداری سے فیصلہ کریں۔

سارے قرآن کریم میں لفظ بر یعنی خشکی (LAND) 13 دفعہ آیا ہے اور لفظ یعنی بحر یعنی سمندر (OCEAN) 32 دفعہ واقع ہوا ہے۔ اگر دونوں کو جمع کر لیں تو 45 ہوئے۔ اگر آپ میٹرک تک کے حساب سے واقف ہیں تو آپ کے لئے یہ دیکھنا آسان ہوگا کہ 13 خشکی اور 32 تری کی 45 کے مجموعہ سے کیا نسبت ہے۔

خشکی کی مجموعی زمینی رقبہ سے نسبت، 13 تقسیم 45=28.88888

تری کی مجموعی زمینی رقبہ سے نسبت، 32 تقسیم 45=71.11111

سبحان اللہ! فرمایئے کہ جس نے سارے کے سارے قرآن کریم میں بر اور بحر کے چناؤ اور ان کی تعداد کو بھی اس طرح گن کر رکھا کہ وہ اصل کے مطابق ہوں؟ ماسوائے خالق کائنات جس نے زمین کو خشکی اور تری میں تقسیم کیا اور کون ہوسکتا ہے؟ اگر یہ مانتے ہو تو پھر رب العالمین نے قرآن کریم میں سورۃ روم آیت 41 جو حکم دیا اس پر بھی سوچ لیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (30-41)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا لوگوں کی اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے، تاکہ (اللہ تعالیٰ) انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض بد اعمال کا۔ شاید کہ وہ برائی سے باز آجائیں''

اس سے اگلی آیت کریمہ 42 میں ارشاد فرمایا کہ

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ O

تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ زمین پر چل پھر کر دیکھ لو بداعمال کی وجہ سے تم سے پہلے قوموں کا کیسا حشر ہوا تھا۔ اگر بچنا چاہتے ہو تو قرآن کریم کی سچائی پر یقین کرو، اور اس پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ اس سے اگلی آیت میں یہ حکم دیتا ہے کہ

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّأْتِىَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ O مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ O

''آپ اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جاؤ بیشتر اس کے کہ وہ دن بھی آ جائے جس کا متاخر ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوگا، اس دن لوگ الگ الگ پھٹ جائیں گے۔ جو کفر کرتا ہے اس کے اوپر اس کے کفر کا وبال ہوگا اور جو اچھا کام کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی (بھلے کے لئے) کرتا ہے''۔

سوچئے!

یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ قرآن کریم میں فطرت کے رازوں سے جو پردہ اٹھایا گیا ہے اس کے بیان کے لئے پوری کتاب چاہیے۔ اس سے بھی حیران کن معجزہ نما قرآن کا حسابی نظام ہے جس کی تفصیلات میری کتاب ''قرآن پاک ایک چیلنج، ایک سائنسی معجزہ'' میں آپ دیکھ سکیں گے۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ قرآن کریم کے حروف، اس کے الفاظ، آیات اور سورتوں کی ترکیب اور ترتیب کی طرح 1400 سال پہلے ایک ایسے حساب کے مطابق ڈیزائن کی گئی جو آج بھی طاقتور کمپیوٹروں کے لئے مشکل ہے۔

سوچنے کہ بات یہ ہے کہ کیسے ممکن ہوا کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب جیسے پس ماندہ ملک میں ایک ایسا آدمی (ﷺ) جو کوئی کتاب نہیں پڑھ سکتا، جس شہر میں وہ رہتا ہے وہاں جہالت اور بت پرستی کا دوردورہ ہے جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو ایسی ایسی باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے جن کی گہرائی تک ماہرین عمرانیات، معاشیات، تاریخ دان، حساب دان اور سائنسدان ایک لمبے عرصے کی تحقیقات کے بعد پہنچتے ہیں؟ اس عظیم ہستی نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا؟۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا

''لوگ قرآن کریم میں کیوں غور و تدبر نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں؟''

جب لوگ اس سے پوچھتے تو وہ صادق الامین شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا ہوں، یہ تو میری طرف خالق کائنات کی طرف سے وحی ہوتی ہے، میں تو صرف اس کا پیغامبر ہوں۔ بے شک کائنات کا رب اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مسلسل اپنے پیغامبر بھیجتا رہا ہے۔ جب انسانیت اس قابل ہوگئی کہ پیغام کتابی صورت میں محفوظ رہ سکتا تھا تو اس نے تمام نوع انسانی کی طرف اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیج دیا۔ اس کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس پر وحی کی گئی کتاب حقیقت کا روڈ میپ (ROAD MAP) ہے۔ یہی نجات کا راستہ ہے جو سیدھا جنت کو جاتا ہے۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

خودی اور مشاہدۂ قدرت

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)
کی کتاب "حکمت اقبال" کا ایک باب

خودی کی ایک اہم ضرورت مشاہدۂ قدرت ہے

خودی خدا کی محبت کے جذبہ کی مکمل تشفی چاہتی ہے جو اظہار محبت سے ہی ممکن ہوتی ہے لہٰذا خودی اپنے جذبہ محبت کی کامل تشفی کیلئے اظہارِ محبت کے تمام ممکن ذرائع کو کام میں لاتی ہے۔ ان میں سے ایک ذریعہ مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات کے حسن و جمال کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ خدا مخفی ہونے کے باوجود کائنات میں آشکار ہے۔ وہ زندگی ہے، وجود ہے اور وجود کا خاصہ آشکارائی ہے لہٰذا خدا نے اپنی صفات کو اپنی تخلیق میں پوری طرح سے آشکار کر رکھا ہے۔

گفتہ موجود آنکہ مے خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

کائنات کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ خدا کی صفات کے حسن کی جلوہ گاہ ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ کائنات گویا ہے ہی نہیں، فقط خدا ہی خدا ہے جس کا حسن کائنات کی صورت میں بے حجاب ہو گیا ہے، یا ہم ہیں جو اس حسن کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ے گفت آدم ! گفت از اسرار اوست
گفت عالم ! گفت او خود روبروست

ے بہ بزم ما تجلی ہاست بنگر
جہاں ناپید اُو پیداست بنگر

ے در و دیوار و شہر و کاخ و کو نیست
کہ ایں جا ہیچ کس جز ما اُو نیست

ے زمین و آسماں و چار سو نیست
در یں عالم بجز اللہ ہو نیست

کائنات کا یہ مادی پیکر خودیٔ عالم کی ہستی اور قدرت اور قوت کے نشانات میں سے ہے۔اس کائنات کی ہر چیز جو ہم دیکھتے ہیں اپنے وجود کے لئے خودی عالم کی صفات کی پراسرار تخلیقی کاروائی کی مرہون منت ہے۔

ے پیکر ہستی و آثار خودیست
ہرچہ مے بینی ز اسرار خودیست

لٰہذا خودی کو خدا کے حسن کے مشاہدہ سے لذت اندوز ہو کر اپنے جذبہ محبت کی تشفی کرنے کے لئے کسی دقت کا سامنا نہیں ہوسکتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم قدرت کے آئینہ پر نگاہ ڈال کر خدا کے حسن کا جلوہ مفت میں دیکھ لیتے ہیں۔لیکن حسن حقیقی کے اس نظارہ کے لیے شرط یہ ہے کہ ہمارا فطری ذوق حسن یا خدا کی محبت کا جذبہ مردہ نہ ہو چکا ہو اور ہماری نگاہ سلامت رہے۔

ے اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحر یہ فلک نیلگوں کی پہنائی
سفر عروس قمر کا عماری شب میں
طلوع مہر و سکوت سپہر مینائی
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

ے صبح و ستار و شفق و ماہ و آفتاب
بے پردہ جلوہ ہائے نگاہ مے توان خرید

فطرت کے مطالعہ سے خدا کی جو معرفت حاصل ہوسکتی ہے وہ کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہوسکتی۔چمن کا ہر آتشیں رنگ گل لالہ انسان کے دل میں اپنی کشش پیدا کر کے انسانی خودی کی اس مخفی حقیقت کو آشکار کر رہا ہے کہ وہ سراپا آرزوئے حسن ہے۔

ے کھلا جب چمن میں کتب خانہ گل

نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
کہا لالہ ءآتشیں پیرہن نے
کہ اسرار جان کی ہوں میں بےحجابی

قدرت کا حسن خدا کے حسن کا آئینہ ہے

قدرت کا حسن خدا کا آئینہ ہے، میں خدا کا جمال منعکس ہوتا ہےاور قدرت کے حسن کا آئینہ جس میں قدرت کا حسن منعکس ہوتا ہے انسان کا دل ہے لیکن اچھے شاعر کا اچھا کلام انسان کے دل کا آئینہ ہے جس میں انسان کی آرزوئے حسن کا عکس نظر آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جو کچھ سوچتا ہےاور جو کچھ کرتا ہے حسن کی جستجو کے لئے کرتا ہے۔

ے حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن
دل انسان کو ترا حسن کلام آئینہ

حسن خداوندی نے اپنے اردگرد فطرت کا حجاب بنا ہوا ہے لیکن یہ حجاب اتنا باریک ہے کہ اس میں سے ان فرشتوں کے تبسم ہائے پنہاں جو اس حجاب کو بنتے ہوئے اس بات پر ایک رکی ہوئی ہنسی سے ہنس رہے ہیں کہ یہ حجاب ہے بھی اور نہیں بھی' آشکار نظر آتے ہیں۔ یہ کائنات انسان کو حق تعالٰی کے دیدار کی دعوت دے رہی ہے اور یہ عجیب بات نہیں اس لئے کہ ہر حسین جس کا حسن چھپا ہوا ہو اپنے حسن کو بےحجاب کرنے کا آرزومند ہوتا ہے۔خدا کے حسن کو آشکار ہونا ہی تھا

ے کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہائی
یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

خودی کی تربیت اور ترقی کا ذریعہ

خودی کے جذبہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خدا کے حسن کا مشاہدہ کرےاور اس مشاہدہ سے اطمینان اور سرور حاصل کرے تا کہ اپنے جذبہ محبت کو اور تیز کرےاور حسن کی نامعلوم گہرائیوں اور وسعتوں سے پوری طرح آشنا اور پوری طرح سے لذت اندوز ہو۔فطرت کا حسن خودی کی اس

کوشش کو آسان بناتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، زمین اور آسمان، سمندر، جھیلیں، بادل، ندیاں، ہوائیں، سحر کا نور، شام کی شفق، باغ و راغ، رات اور دن کا تغیر، موسموں کا انقلاب، حیوانات اور نباتات کی زندگی اپنی تمام رنگا رنگی اور ثروت اور شوکت کے سمیت مختصراً قدرت کے تمام مظاہر جو قدرت کے مسلسل عمل تخلیق اور تربیت اور تعمیر اور ترتیب اور تنظیم اور تجویز اور تحفظ اور تحسن اور تجمیل اور تزئین کے آئینہ دار ہیں خالق کائنات کے حسن و کمال کا عکس ایسی ہی وضاحت اور صفائی سے پیش کرتے ہیں جیسے کہ کسی باکمال فنکار کا شاہکار اس کے ذہنی، جمالیاتی، اخلاقی اور روحانی کمالات کا عکس پیش کرتا ہے اور خودی جس قدر کارخانۂ قدرت پر خدا کی صفات کے مظہر کے طور پر غور وفکر کرتی ہے، جس قدر مظاہر قدرت کی باریکیوں میں جاتی ہے اور ان کے عوامل اور اسباب کا ان کی تفصیلات اور جزئیات کا اور ان کے نتائج اور حاصلات کا جائزہ لیتی ہے اسی قدر زیادہ وہ خدا کی صفات کے حسن سے آشنا ہوتی ہے اور اسی قدر زیادہ اپنی آرزوئے حسن کی تشفی پا کر مسرت اور اطمینان حاصل کرتی ہے اور اسی قدر خدا کی محبت اور اس کے درجہ کمال کے قریب لاتی ہے اور اسی قدر اپنی تربیت اور ترقی کا اہتمام کرتی ہے۔ قدرت گویا انسان کو خدا کی معرفت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے تختی کا کام دیتی ہے۔

ؔ کوہ وصحرا دشت و دریا بحر و بر
تختہ ءِ تعلیم اربابِ نظر

قرآن حکیم میں مشاہدۂ حسن کی اس شکل کو 'تفکر فی الخلق' کہا گیا ہے اور مومن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے مظاہر قدرت پر غور وفکر کرے۔ اقبال شاید قرآن حکیم کے اسی ارشاد کی طرف اشارہ کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ مؤمن قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ میں غرق رہتا ہے۔

ؔ علم ترساں از جلال کائنات
عشق غرق اندر جمال کائنات

مشاہدہ قدرت سے اقبال کا شغف

جہاں موقع ملتا ہے اقبال خود مزے لے لے کر مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس میں

خدا کے حسن کو بے حجاب دیکھتا ہے جو بڑی بے پرواہی کے ساتھ دشت وراغ میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہے

ے پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن
حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

مومن کے دل کی آنکھ کائنات کے مشاہدہ سے روشن ہوتی ہے کیونکہ وہ کائنات میں جو فقط خدا کی صفات کی مظہر ہے، خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ے چشم او روشن شود از کائنات
تا بہ بیند ذات را اندر صفات

قدرت کا حسن قلب ونظر کی زندگی ہے کیونکہ وہ حسن ازل کی نمود ہے اور اس میں خود حقیقت وجود بے پردہ نظر آتی ہے۔

ے قلب ونظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے بے پردہ وجود
دل کے لئے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلسان

ہمیں زندگی کا راستہ اندھوں کی طرح سر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اردگرد کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے اپنی معرفت کے نور کو چمکانا چاہیے اور قرآن حکیم کا ارشاد بھی جو ہمیں اُنظُرُ کہہ کر خطاب کرتا ہے یہی ہے۔

ے تو کہ مقصودِ خطاب اُنظری

پس چرا ایں راہ چوں کوراں میری

خدا نے ہمیں آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ ہم ان کے نور سے قدرت کا مشاہدہ کریں اوراس مشاہدہ کے ذریعہ سے خالق قدرت کی محبت (نگاہ) پیدا کریں۔

ے بیا با شاہد فطرت نظر باز
چرا درگوشہ ٔ خلوت نشینی
ترا حق داد چشمے پاک بینے
کہ از نورش نگاہے آفرینی

کائنات کے حسن کا احساس

کائنات کا حسن ہمارے جذبہ حسن کا راہنما ہے، اسے اکساتا اور تیز کرتا ہے۔ اگر کائنات میں حسن نہ ہوتا تو ہماری خودی کی آرزوئے حسن نہ بیدار ہوتی نہ اپنے مقصود کو پاسکتی۔

ے حسن خلاق بہار آرزو ست
جلوہ اش پروردگار آرزو ست

لیکن اس کے برعکس یہ بھی درست ہے کہ اگر ہمارے دل میں حسن کی آرزو نہ ہوتی تو کائنات کا حسن حسن نہ ہوتا کیونکہ ہمارے پاس کوئی معیار ہی نہ ہوتا جس پر پرکھ کر ہم اسے حسن قرار دے سکتے پھر نہ ہم کائنات کے حسن کی ستایش کر سکتے نہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس کے خالق کا کوئی تصور قائم کر سکتے۔ حقیقت کا سارا علم ہمارے اندر ہے ہم سے باہر نہیں، قدرت کا مشاہدہ فقط اسے بیدار کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے؛ اسی لئے کہا گیا ہے کہ خدا کا عرفان اپنا عرفان ہے اور خدا پر ایمان لانا اپنے آپ پر ایمان لانا ہے۔ اگر قدرت حسن فروش ہے تو خودی خریدارِ حسن ہے اور ایک کے بغیر دوسرا اپنا مدعا نہیں پا سکتا۔ ایک طرف سے خدا کا حسن کائنات میں پیدا اور ظاہر ہے اور دوسری طرف سے انسان کی آنکھوں میں مخفی اور مستور بھی ہے اگر خدا کا حسن ظہور پائے اور انسان کے دل کی آنکھوں میں مستور نہ ہو یعنی انسان کے دل میں اپنا وہ اثر یا احساس پیدا نہ کر سکے جو وہ انسان کی مخفی آرزوئے حسن کی وجہ سے پیدا کرتا ہے تو اس کا ظہور بھی بے معنی رہے لہٰذا حسن کا اصل مقام انسان کے دل کے اندر ہے اور یہ انسان کا دل ہی ہے جو حسن

کامل کا صحیح محک ومعیار ہے اور خارجی اشیاء میں سے کوئی شے بھی ایسی نہیں جو مکمل طور پر اس کے معیار کے مطابق ہو۔

حسن را از خود بروں جستن خطاست
آنچہ مے بایست پیش ما کجا است

اس سے ظاہر ہے کہ تجلی یا معرفت کاملہ کا دارومدار اسی حسن کے کامل احساس پر ہے جو انسان کے دل کے اندر مخفی ہے۔

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

حکیم و صوفی و عارف تمام مست ظہور
کسے خبر کہ تجلی ہے عین مستوری

خارجی کائنات کے مشاہدہ کا کام فقط یہ ہے کہ وہ اس احساسِ حسن کو بیدار کرتا ہے جو انسان کے دل کے اندر ہے اور مشاہدہ کائنات کا یہ کام نہایت ہی اہم ہے کیونکہ انسان کی معرفت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

ہر خودی نظروں سے مخفی رہتی ہے

کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ سے خدا کو جاننا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ مثلاً میں اپنے کسی بہترین دوست کو اس کے بیرونی اعمال و افعال کو دیکھ کر جان لوں۔ بے شک خودی عالم ہماری جسمانی یا مادی نظروں سے اوجھل ہے لیکن یوں اوجھل ہونے کی وجہ سے وہ ہمارے لئے کسی دوسری خودی کی نسبت جسے ہم جانتے ہوں' کم قابل فہم نہیں۔ نظروں سے اوجھل ہونا کائناتی خودی کی خصوصیت نہیں۔ ہر خودی ہماری جسمانی آنکھوں سے جو دراصل مادی اشیاء کو دیکھنے کے لیے بنی ہیں اوجھل ہوتی ہیں اور خودی عالم اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں۔ انسان کا مادی جسم اس کی خودی کا ایک مظہر یا آلہ ہے۔ میں اپنے بہترین دوست کے بارے میں جو کچھ جانتا ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں نے اس کی خودی یا شخصیت کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے جو ایک ناممکن بات ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس کی شخصیت یا خودی کے بیرونی آثار اور نتائج کو دیکھتا ہوں اور ان کی

بنا پر اس حقیقت کا (کوئی معروف معنوں میں منطقی یا علمی یا عقلی یا ریاضیاتی تصور نہیں بلکہ) ایک وجدانی تصور قائم کرتا ہوں یا براہ راست اور بلاواسطہ یہ احساس پیدا کر لیتا ہوں کہ وہ میری طرح کی ایک زندہ شخصیت یا خودی ہے کوئی روبوٹ یا مشین نہیں۔

ہر خودی مخفی بھی ہے اور آشکار بھی واحد بھی ہے اور کثیر بھی

گویا میرا دوست میرے لئے ایک پہلو سے مخفی ہے اور دوسرے پہلو سے آشکار ہے وہ ایک ہے تاہم اس لحاظ سے کثیر ہے کہ بہت سے اعمال وافعال میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ میں اس کو جو ایک ہے اور مخفی ہے اس لئے جانتا ہوں کہ وہ آشکار بھی ہے اور کثیر بھی۔ اس طرح سے خدا ایک ہے اور مخفی ہے لیکن کائنات کے اندر اپنے تخلیقی اعمال وافعال کی وجہ سے کثیر بھی ہے اور آشکار بھی۔ اقبال نے اس سارے مضمون کو صرف دو شعروں میں خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ خدا ایک ہے اور مخفی ہے اس کے باوجود وہ کائنات کی کثرت میں آشکار ہے اور خدا کا عاشق کائنات کو دیکھ کر خدا کو پہچانتا ہے۔ یہ کائنات اپنی بے اندازہ وسعت کے باوجود عاشق کے دل میں سما جاتی ہے کیونکہ وہ اس کے محبوب کے حسن کا مرقع ہے۔ اگر تو تخلیق عالم کے اسرار کو جاننا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو دیکھ! تو ایک بھی ہے اور مخفی بھی ہے لیکن اپنے تخلیقی اعمال وافعال کی کثرت سے جانا جاتا ہے۔

ایں پستی و بالائی ایں گنبد مینائی
گنجد بدلِ عاشق باایں ہمہ پہنائی
اسرار ازل جوئی برخود نظرے واکن
یکتائی و بسیاری پنہانی و پیدائی

اقبال لکھتا ہے!

''ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدرت خالص مادیت کا ایک ڈھیر نہیں جو کسی خلا میں پڑا ہوا ہو، یہ واقعات کی ایک تعمیر ہے اور کردار کی ایک منظّم صورت ہے اور اس لحاظ سے وجود مطلق کے ساتھ ایک عضویاتی تعلق رکھتی ہے۔ قدرت خدا کی شخصیت کے ساتھ وہی تعلق رکھتی ہے جو کریکٹر انسانی شخصیت کے ساتھ رکھتا ہے۔ قرآن کے خوبصورت الفاظ میں یہ اللہ کی عادت ہے۔ انسانی نقطۂ نظر سے یہ وجود مطلق کی تخلیقی فعلیت کی

ایک توجیہ ہے جو ہم اپنے موجودہ حالات میں اس پر عائد کرتے ہیں ــــــــــــ قدرت کا علم خدا کے کردار کا علم ہے۔ جب ہم قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم دراصل خودی مطلق سے ایک طرح کی واقفیت پیدا کر رہے ہوتے ہیں اور یہ عبادت ہی کی ایک اور شکل ہے۔'' (تشکیل الٰہیات جدید۔صفحہ 57,56)

انسانی جسم اور ذہن پر موسیقی کے اثرات
جدید سائنس کی روشنی میں

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکا)

بے شمار سائنسی تجربات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موسیقی اور گانے بجانے کے اثرات ہمارے جسم اور ذہن دونوں پر مرتب ہوتے ہیں اور موسیقی ایک معصوم یا بے ضرر تفریح نہیں ہے۔ موسیقی دراصل نپی تلی اور منظّم آوازوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ موسیقی سننے سے ہمارے جسم اور کردار پر انتہائی دُوررَس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال نے موسیقی کی اسی صفت کے متعلق فرمایا تھا:

ے چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ' بدن کو بیدار

یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات میں موسیقی اور گانے بجانے کو تقریباً چودہ سو سال پہلے نقصان دہ قرار دے دیا گیا تھا۔ مفسر قرآن عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا تھا: "مِنْ ایَاتِہٖ مَا لَاتُفَسَّرُ اِلَّا بِمُرُوْرِ الزَّمَانِ" (اس قرآن کی بعض آیات کی تفسیر صرف زمانہ گزرنے کے ساتھ سمجھ میں آئے گی)۔ موجودہ دور میں موسیقی کے زہر آلود اثرات کے متعلق بہت سی نئی سائنسی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔ اس مضمون میں انسانی جسم اور دماغ پر موسیقی کے اثرات کو جدید سائنسی تحقیقات کے تناظر میں بیان کیا جائے گا۔

انسانی جسم پر حیاتیاتی اثرات

اِی اِی جی (ELECTROENCEPHALOGRAPHY) ایک میڈیکل تکنیک ہے جس کے ذریعے دماغ کی برقی حرکت (ELECTRICAL ACTIVITY) کو ناپا جاتا ہے۔ انسانی دماغ پر موسیقی کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لئے سائنسدانوں نے ای ای

جی تکنیک استعمال کرتے ہوئے موسیقی سننے والوں کے سروں پر الیکٹروڈ لگائے۔ یہ مشاہدہ کیا گیا کہ موسیقی سننے کے دوران انسانی دماغ کے مختلف حصے متحرک ہو جاتے ہیں جس کی ایک ممکنہ وجہ ان حصوں میں خون کے بہاؤ میں تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ بھی نوٹ کیا گیا ہے کہ خوشی کے اظہار والی موسیقی اور گانوں کے سننے سے دماغ کے بائیں حصے میں نسبتاً زیادہ حرکت نظر آتی ہے جبکہ خوف اور غم کے اظہار والی موسیقی کا زیادہ اثر دائیں دماغ پر مرتب ہوتا ہے۔

جب گانے کے ساتھ موسیقی کے آلات بھی شامل ہوں تو گانوں کے بول سامعین کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ سامعین پر شاعری اس صورت میں زیادہ قابل ترغیب اور گانے کا پیغام زیادہ پُر اثر ہوتا ہے جب گانے کے ساتھ گٹار کا استعمال بھی ہو بہ نسبت اس صورت میں جب کہ گانے کے ساتھ کوئی آلہ موسیقی شامل نہ ہو۔

ان تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ جب گانے کے ساتھ موسیقی بھی شامل ہو تو اس کی گناہ اور فحاشی پر ابھارنے کی طاقت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔

انسانی دماغ پر حیاتیاتی اثرات

موسیقی بڑی حد تک منشیات کی طرح کام کرتی ہے' کیونکہ یہ انسان کو اپنے اردگرد کے موحول سے بے خبر کر دیتی ہے۔ وہ ذہن کو پُر فریب حالت میں پہنچا دیتی ہے۔ سائنس میں اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ موسیقی کی کئی اقسام ذہن پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں جس سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے۔ مثلاً دو مختلف یونیورسٹیوں میں کی گئی تحقیقات میں یہ دریافت ہوا کہ جب راک (ROCK) میوزک لگایا گیا تو چوہوں کے لئے بھول بھلیوں میں اپنا راستہ معلوم کرنا عام حالات کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ مشکل ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں چوہوں کی سیکھنے کی صلاحیتیں موسیقی کے زیر اثر کمزور پڑ گئیں۔

انسانی دماغ ایک ایسا عضو ہے جو غور و فکر، تقریر اور جذبات کا ذمہ دار ہے۔ یہ جسم کا کنٹرول سینٹر ہے۔ انسان کے دماغ کے اگلے حصے کے اندر گہرائی میں ایک نظام ہوتا ہے جو LIMBIC SYSTEM کہلاتا ہے۔ اس میں ایمگڈیلا (AMYGDALA) ہپوکیمپس (HIPPOCAMPUS) اور ہائپوتھیلمس (HYPOTHALAMUS) جیسے حصے شامل

ہوتے ہیں۔لمبک سسٹم ہمارے جسم میں درج ذیل وظائف ادا کرتا ہے:

(1) جذبات کو کنٹرول کرنا

(2) جذباتی ردعمل

(3) کیمیاوی مادوں کے جسم میں اخراج کو کنٹرول کرنا

(4) مزاج (MOOD) کا کنٹرول

(5) درد اور لذت محسوس کرنا

(6) طویل المیعاد یادداشت

جذبات واحساسات مثلاً غصہ، خوف، جوش، محبت، نفرت، خوشی اور غم وغیرہ سب دماغ کے لمبک سینٹر میں پیدا ہوتے ہیں اگر کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے دماغ کے اس حصے کو نقصان پہنچ جائے تو انسان کی اظہارِ جذبات کی صلاحیت بری طرح متاثر ہوتی ہے اس کی علامات میں بے وجہ رونا یا ہنسنا، جلد غصے میں آجانا، فکرو پریشانی، بہت زیادہ جنسی رجحان اور ڈپریشن وغیرہ شامل ہیں۔

موسیقی، منشیات اور جنسی خواہش کا آپس میں اتنا گہرا ربط ہے کہ یہ تینوں دماغ کے ایک ہی حصے یعنی LIMBIC SYSTEM کو متحرک کرتے ہیں۔نوجوان موسیقی سے اس لئے لطف اندوز ہونا پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ دماغ کے LIMBIC SYSTEM کو متحرک کرتی ہے۔مزید برآں، دماغ کے اسی حصے کو جنسی ہارمونز بھی متحرک کرتے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک تحقیق کے مطابق شراب بھی دماغ کے اسی حصے پر اثر انداز ہو کر اس میں تحریک پیدا کرتی ہے اور مزاج میں تشدد اور جھگڑالو پن (AGGRESSION) پیدا کرتی ہے۔

کوکین اور کریک (CRACK) جیسی منشیات بھی دماغ کے LIMBIC AREA بالخصوص HYPOTHALAMUS پر اثر انداز ہو کر جسم میں بہت زیادہ تحریک، تشدد پسندی، بھوک کا فقدان اور پریشانی (NERVOUSNESS) پیدا کرتی ہیں۔اس لئے یہ بات حیرانگی کا باعث نہیں کہ تشدد کے جرائم کی شرح 15 سے 24 سال کی عمر کے لوگوں میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔یونیورسٹی آف سین ڈی ایگو (UNIVERSITY OF SAN DIEGO) میں جب خودکشی کے 130 واقعات کا تجزیہ کیا گیا تو ان میں سے 66 فیصد کا بنیادی سبب شراب اور

دیگر منشیات کا استعمال تھا۔

موسیقی جو نو جوانوں کی جنسی بے راہ روی، تشدد اور خودکشی کے بارے میں گفتگو کرتی ہے، ایک بہت بڑی معاشرتی بیماری ہے۔

دماغ کے LIMBIC SYSTEM کا ایک حصہ ہپوکیمپس طویل المیعاد یادداشت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ موسیقی دماغ کے اس حصے پر اثر انداز ہو کر جنسی بے راہ روی یا تشدد پر مبنی گانوں کو انسان کی بقیہ زندگی کے لئے اس کی یادداشت اور کردار کا حصہ بنا دیتی ہے۔

جنسی خواہشات کو ابھارنے میں موسیقی اور گانے کا کردار

چارلس ڈارون نے 1871ء میں طبع ہونے والی اپنی کتاب "THE DESCENT OF MAN AND SELECTION IN RELATION TO SEX" میں یہ انکشاف کیا تھا کہ جنسی خواہشات کو ابھارنے میں موسیقی کا کردار اہم ہے کیونکہ اس کے ذریعے جنس مخالف کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

یہ بات بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ مشرق اور مغرب میں موسیقی اور گانے بجانے کا مرکزی موضوع عام طور پر جنس مخالف اور عشق بازی ہی ہوتا ہے۔ دنیا کے اکثر رقص اپنے اندر جنسی عنصر رکھتے ہیں۔ دنیا کے کئی قدیم جاہلی معاشروں میں موسیقی اور رقص کا شریک حیات کے انتخاب سے گہرا تعلق ہوتا تھا۔ یہ چیز جانوروں میں کورٹ شپ کے دوران رقص سے مشابہ ہے۔ مثلاً مور مورنی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے خوبصورت پَر پھیلا کر ناچتا ہے اور اس دوران آوازیں بھی نکالتا ہے (گویا کہ وہ گانا گا رہا ہو)۔

موسیقی اور رقص کا عوام میں عام ہونا بلکہ اس سے نشے کی حد تک دلچسپی دراصل اس لئے ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان کے سفلی جذبات کو اپیل کرتی ہیں۔ یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا:

RHYTHM AND MELODY, ACCOMPANIED BY DANCE ARE THE BARBAROUS EXPRESSION OF THE SOUL.

(موسیقی کا ترنم اور سوز، رقص ہمراہ دراصل انسانی روح کا وحشیانہ اظہار ہیں)

افلاطون نے اپنی REPUBLIC میں اس بات کا پُر زور اظہار کیا تھا کہ عوامی

میوزک کو سختی سے سنسر کیا جائے۔ اس نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ برے گانوں اور موسیقی کی وجہ سے ملک کے شہری گمراہ ہو جائیں گے، ان کے اخلاق تباہ ہو جائیں گے اور وہ برے کاموں میں ملوث ہو جائیں گے۔

موسیقی کی روح کو اس سے بھی زیادہ بہتر الفاظ میں مشہور ولی اللہ شیخ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے بیان کیا تھا: الغِنَاءُ رُقیۃُ الزِّنَا یعنی ''گانا بجانا دراصل زنا کا ابتدائیہ ہوتا ہے'' (عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ)

علاوہ ازیں، اس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ نوجوانوں (TEENAGERS) پر عام لوگوں کی نسبت موسیقی زیادہ زہر آلود اثرات مرتب کرتی ہے۔ جب لڑکے اور لڑکیاں بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہیں تو وہ موسیقی اور گانوں کے مروّجہ پیغامات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ 1989ء میں شائع شدہ ایک تحقیقی مقالے کے مطابق:

> ''نوجوانوں کے لئے موسیقی کئی لحاظ سے اہم ہے۔ مثلاً سوسائٹی کی اجتماعی زندگی میں ان کے شامل ہونے میں موسیقی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جیسے جیسے نوجوان خودمختار ہوتے ہیں وہ زندگی کے شہوانی پہلوؤں (SEXUAL ASPECTS OF LIFE) کے متعلق معلومات کے حصول کے لئے موسیقی اور گانوں کا رُخ کرتے ہیں، اور یہ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن پر گھر اور اسکول دونوں جگہوں پر ممانعت ہوتی ہے۔''

1971ء میں چھپنے والی ایک تحقیق میں یہ رپورٹ کیا گیا کہ 1960ء کی دہائی کے مشہور ترین گانوں میں سے تین چوتھائی کا مرکزی موضوع عشق اور جنسی بے راہ روی تھا۔ یہ رجحان بعد کے سالوں میں بدلا نہیں بلکہ بدستور وہی رہا۔ 1986ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق 1980ء اور 1990ء کی دہائیوں میں گانوں کے الفاظ اور پیغامات میں جنسی اور عشقیہ رجحان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

ان تحقیقات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسی موسیقی سننے کے سامعین پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسانی دل کی دھڑکن اور موسیقی کی موزونیت

آہنگ (RHYTHM) ایک ایسی طبعی قوت ہے جو فطرت نے بہت سے جسمانی افعال میں رکھی ہے، جیسے دل کی دھڑکن، دوڑنا، سانس لینا وغیرہ۔اس لئے ہمارا جسم فوری طور پر کسی بھی ایسی بیرونی چیز سے متأثر ہوتا ہے جس میں آہنگ کا عنصر موجود ہو۔ مثلاً ڈھول کی آواز، روشنیوں کا سحرانگیز طریقے سے بار بار جلنا بجھنا۔ یہ بات حیران کن نہیں کہ سب سے زیادہ آرام دہ موسیقی وہ ہوتی ہے جس میں ساز و آواز کی ضرب (BEAT) ایک منٹ میں 70 سے 80 تک ہوتی ہے، جو کہ دل کی دھڑکن کی فطری رفتار کے مطابق ہے۔موسیقی کی مشہور قسم ''جاز'' (JAZZ) کی سب سے اہم خصوصیت دھڑکن کی آواز (PULSATING RHYTHM) ہے۔ ''جاز'' میں ڈھول کی ضرب بھی دل کی دھڑکن کی طرح ایک منٹ میں تقریباً 72 دفعہ ہوتی ہے۔

موسیقی کے اندر انسان کو ہپناٹائز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ہپناٹزم کی بنیادی خصوصیت تکرار (REPETITION) ہے اور یہی چیز موسیقی اور گانوں میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔زیادہ دیر تک ایسی تکرار کے زیر اثر رہنے کے اثرات سحرانگیز ہوتے ہیں۔مثلاً طبلے کی تھاپ کو مسلسل سننے سے انسان کے شعور (CONSCIOUSNESS) کی حالت میں عارضی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور دماغ ہپناٹزم کی ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے جس میں وہ ہر پیغام کو بغیر ردوکد کے قبول کر لیتا ہے (SUGGESTIVE HYPNOSIS)۔ یہی اثرات گھنگھرو کی چھن چھن، طنبورے کی آس اور گھنٹی کی ٹن ٹن پیدا کرتے ہیں۔ایسے ہپناٹزم کی حالت میں گانے کے پیغامات سننے والوں کے اذہان پر نقش ہو جاتے ہیں۔آوازیں جن ذرائع سے انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہیں وہ شمار ہیں۔آج کی موسیقی کی اونچی آوازیں اور تیز روشنیاں برین واشنگ کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مغربی موسیقار لیونارڈ مائیر کے مطابق موسیقی کو اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ کچھ راگ یا گانے کے مضامین چند تبدیلیوں کے ساتھ دیگر مضامین کے ہمراہ بار بار دہرائے جاتے ہیں لیکن گانے کے اصل راگ اور بول گانے کے دوران بار بار واپس آتے ہیں جس سے سننے والے کو ایک طرح کی مانوسیت اور آسودگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ چیز نہ صرف کلاسیکل موسیقی میں بلکہ لوک موسیقی اور پاپ میوزک میں بھی پائی جاتی ہے۔

کانوں کے راستے دل کی زنگ آلودگی اور تباہی

ہمارے کان سننے کے لئے اسی طرح مرکزی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح ہماری آنکھیں دیکھنے کے لئے۔ انسانی جسم کے حواسِ خمسہ میں سے سب سے طاقتور سننے اور دیکھنے کے حواس ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں قوتِ ذائقہ، قوتِ لامسہ اور قوتِ شامہ کی حیثیت ذیلی قسم کی ہوتی ہے اور ان کا انحصار انسان کی قوتِ سماعت اور بصارت سے حاصل شدہ معلومات پر ہوتا ہے۔

ہر قسم کی آوازیں ہم پر اپنا اثر ڈالتی ہیں اور یہ اثر اچھا بھی ہوسکتا ہے اور بُرا بھی۔ اسی وجہ سے کانوں کے راستے بہت آسانی سے دل کی تباہی کا سامان مہیا کیا جا سکتا ہے۔ شیطان کو انسان کی اس کمزوری کا بخوبی علم ہے۔ اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق فرمایا ہے:

وَاسۡتَفۡرِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ ......الخ (الاسراء: 64)

''تو (یعنی شیطان) انسانوں میں سے جس جس کو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے، پھسلا لے۔''

شیطان اپنی آواز یعنی موسیقی اور گانے بجانے کے ذریعے انسانوں کو بہکاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے موسیقی کو شیطان کی اذان قرار دیا ہے۔ شیطان انسان کے دل کو کانوں کے راستے خراب کرتا ہے اور یہ بات اب جدید سائنسی تحقیقات سے ثابت ہوچکی ہے کہ انسانی دل صرف ایک پمپ نہیں بلکہ عقل و سمجھ رکھنے والا ایک عضو ہے۔

یہ صحیح ہے کہ کانوں کی حفاظت کرنا آنکھوں کی حفاظت سے بھی مشکل کام ہے۔ اسی لئے قرآن میں قوتِ سماعت کا ذکر دیکھنے کی قوت کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

انَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا O(الاسراء۔36)

''یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

پیدائش کے وقت بچے کی سننے کی صلاحیت مکمل طور پر کام کر رہی ہوتی ہے جب کہ بچہ ایک خاص فاصلے سے زیادہ کی چیز نہیں پہچان سکتا۔ نومولود بچے کو اس چیز میں کئی ہفتے لگتے ہیں کہ وہ

لوگوں کے چہرے پہچان سکے۔اسی طرح قرآن میں ارشاد ہے:

وَ اللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـئِدَةَ‌ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ O(النحل۔78)

''اللہ نے تم کوتمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔اس نے تمہیں کان دیے آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیے اس لئے کہ تم شکرگزار بنو۔''

قُلۡ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡــِٕدَةَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَO (الملك۔23)

''ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں سوچنے سمجھنے والے دل دیے مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔''

ان آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ''سننے'' کا ذکر دیکھنے کی صلاحیت سے پہلے ہوا ہے۔یہ اس لئے بھی ہے کہ رحم مادر میں پہلے قوتِ سماعت نشو ونما پاتی ہے اور پھر قوتِ بصارت۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جدید سائنس نے صرف اسی صدی میں دریافت کیا ہے جب کہ قرآن اسے 1400 سال سے بیان کر رہا ہے۔اسی طرح یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ بچے اپنی نشو ونما کے ابتدائی سالوں میں بہت عرصے تک صرف سنتے ہیں اور پھر بولنا شروع کرتے ہیں۔مزید برآں رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے صبح وشام ایک دعا مانگا کرتے تھے جس میں قوت وسماعت کا ذکر قوتِ بصارت سے پہلے فرمایا کرتے۔

((اَللّٰهُمَّ عَافِنِیۡ فِیۡ بَدَنِیۡ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیۡ فِیۡ سَمۡعِی اَللّٰهُمَّ عَافِنِیۡ فِیۡ بَصَرِیۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ)) [ثلاثًا]

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح۔ومسند احمد:42/5، ح19917۔یہ حدیث امام بخاری نے الادب المفرد میں بھی بیان کی ہے۔شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔
(بحوالہ تحفۃ الاخبار، ص26)۔شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اسے تمام المنۃ (ح232) میں بیان کیا ہے اور اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔)

''اے اللہ! مجھے تو جسم کی سلامتی عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے سننے کی سلامتی عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے دیکھنے کی صلاحیت کی سلامتی عطا فرما۔'' (آپ ﷺ تین بار یہ دعا مانگتے۔)

قوتِ سماعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس حس کو قرآن میں عقل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ O (الملك۔ 10)

''اور وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں نہ شامل ہوتے۔''

اسی طرح قرآن میں دوسری جگہ سننے کی حس کا تعلق سمجھ کے ساتھ بیان ہوا ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا O (آل عمران: 193)

''اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو، پس ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی۔''

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ O

''یقیناً اس میں عبرت کا سبق ہے ہر اُس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے۔'' (قٓ۔ 37)

اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ سننے کی حس چاروں سمتوں میں (یعنی CIRCULAR) کام کرتی ہے جب کہ آنکھیں صرف سامنے دیکھ سکتی ہیں (یعنی LINEAR)۔ ہم کسی بھی سمت سے آنے والی آواز سن سکتے ہیں جب کہ ہم صرف وہی چیز دیکھ سکتے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ اگر خدا کی نافرمانی کا کوئی کام ہمارے سامنے ہو رہا ہو تو ہم اپنی آنکھیں آسانی سے بند کرسکتے ہیں لیکن اپنے کانوں کی حفاظت کے لئے ہمیں جسمانی طور پر اس جگہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

مزید برآں، انسان کی قوتِ سماعت اندھیرے اور روشنی میں دونوں جگہ کام کرسکتی ہے جب کہ آنکھیں اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتیں۔ مسلمان عرب ماہر نفسیات محمد عثمان نجاتی اپنی کتاب

''قرآن کریم اور علم النفس'' میں لکھتے ہیں کہ انسان کی قوتِ سماعت کو اس کی قوتِ بصارت پر اس لئے بھی فوقیت حاصل ہے کہ سونے کے دوران بھی انسان کے کان بیدار رہتے ہیں' جبکہ نیند میں جاتے ہی انسان کی آنکھیں دیکھنا بند کر دیتی ہیں۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کانوں کو گناہوں سے بچانا آنکھوں کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔موسیقی ہمارے روحانی دل کو کانوں کے ذریعے تباہ کرتی ہے۔ یہ حقیقت کہ دل کی تباہی کا سب سے آسان راستہ کانوں کے ذریعے ہوتا ہے' جدید سائنسی تحقیقات سے بھی سمجھ میں آسکتی ہے جن کے مطابق جسم میں کانوں تک جانے والی رگیں (AUDITORY NERVES) سب سے زیادہ غالب ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے کان بہت حساس ہوتے ہیں اور اس کے بہت سے سائنسی شواہد موجود ہیں۔ ہمارا دماغ دائیں اور بائیں حصوں (RIGHT AND LEFT HEMISPHERES) پر مشتمل ہوتا ہے جو مختلف فرائض انجام دیتے ہیں۔نتیجتاً ہمارے دو کان موسیقی اور گانے بجانے کو جب سنتے ہیں تو آنے والی آوازوں یا انفارمیشن کو مختلف انداز میں پرکھتے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے دونوں کان گلوکار کی آواز کے سوز، درد اور گانے کے اشعار کو علیحدہ علیحدہ پرکھتے ہیں۔ یہ چیز پہلی بار 1878ء میں دریافت ہوئی۔ بعد میں اس میدان میں دوہری سماعت (DICHOTIC LISTENING) کے تجربات کیے گئے۔دوہری سماعت کی تحقیقات میں مختلف آوازیں (اس معاملے میں وہ آوازیں موسیقی اور گانے تھے) دونوں کانوں کو علیحدہ علیحدہ ہیڈ فونز کے ذریعے سنائی جاتی ہیں۔یعنی ایک کان کو کوئی ایک طرح کی آواز سنائی جاتی جب کہ دوسرے کان کو بالکل دوسری طرز کی کوئی آواز۔ پھر اس چیز کا مطالعہ کر کے کہ کون سا کان کس قسم کی آواز کو زیادہ بہتر طریق پر پرکھ سکتا ہے' محققین یہ بتا سکتے ہیں کہ کون سا کان کس قسم کی موسیقی کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔مثلاً 1982ء میں کی گئی ایک تحقیق کے مطابق عام انسانوں میں بایاں کان گلوکار کی آواز کے سوز اور جذباتی پہلو کی پہچان میں بہتر ہوتا ہے جبکہ دایاں کان گانے کے الفاظ اور اشعار کے اصل پیغام کو پہچاننے میں زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے کان اس معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں کہ ان میں

جانے والی انفارمیشن کس قسم کی ہے اور بالآخر یہی انفارمیشن ہمارے افعال کو متاثر کرتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جیسا کہ قرآن اور حدیث سے ہمیں پتا چلتا ہے' کہ موسیقی اور گانا عام طور پر ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ اس میں حیرانگی کی بات نہیں کہ جب موسیقی اور گلوکار کی آواز کو ملایا جاتا ہے تو اس طرح شیطان انسان کے دائیں اور بائیں دونوں کانوں کا استحصال کر کے اس کے دل کو بیمار کر دیتا ہے۔

موسیقی سے کانوں کو پہنچنے والا نقصان

موجودہ زمانے میں سمعی ٹیکنالوجی (AUDIO TECHNOLOGY) میں تیزی سے ترقی کی وجہ سے ارباب فکر موسیقی سننے سے کانوں کو پہنچنے والے نقصانات کے بارے میں پریشان ہیں۔ موسیقی کو جن طریقوں سے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے ان میں آلاتِ موسیقی، روایتی سپیکر، کمپیوٹر اور ہیڈ فونز شامل ہیں۔ گزشتہ تیس سالوں میں پبلک ایڈریس سسٹم کی ایجاد کی بدولت موسیقی کے عوامی پروگراموں (MUSICAL CONCERTS) میں آواز میں بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ پی اے سسٹم دراصل عوامی جگہوں پر آواز میں اضافہ کرنے کا الیکٹرانک سسٹم ہوتا ہے اور یہ لاؤڈ سپیکر، مائیکروفونز، مکسنگ بورڈ، ایمپلی فائر وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا مقصد آواز کو نکھار کر اور بڑھا چڑھا کر سامعین وحاضرین تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ایک عام پاپ میوزک کنسرٹ میں آواز کی شدت (INTENSITY) تقریباً 140 ڈے سی بیل (DECIBELL) ہوتی ہے۔

امریکہ میں سمعی آلودگی (NOISE POLLUTION) کے خلاف ایک احتجاجی ادارہ NOISE-FREE AMERICA ہے' جس کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق 140 سے 150 ڈے سی بیل تک اونچی آواز کے میوزیکل کنسرٹ میں موسیقی سننا اس چیز کے برابر ہے کہ انسان بوئنگ 747 ہوائی جہاز کے بالکل پاس کھڑا ہو جبکہ جہاز کے پنکھے پورے زور شور کے ساتھ چل رہے ہوں۔

اونچی آواز میں موسیقی سننے کی وجہ سے قوت سماعت میں کمزوری اور TINNITUS (کانوں میں گھنٹی بجنے کی آواز ہر وقت سنائی دینا) جیسی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں کانوں کی بیماریوں کے ایک ریسرچ سنٹر کے مطابق:

''1960ء کی دہائی میں پاپ میوزک اور موسیقی سننے کے نت نئے آلات کی کثرت کے بعد بہت سے امریکی عوام کی قوتِ سماعت کمزور ہونا شروع ہوگئی۔ ہم نے اب یہ مشاہدہ کرنا شروع کیا ہے کہ بہت سے موسیقار اور آلاتِ موسیقی پر کام کرنے والے انجینئر حضرات جو عرصے تک اس پیشے سے منسلک رہتے ہیں' انہیں سننے میں مشکلات (HEARING PROBLEMS) پیش آتی ہیں۔''

اِسی طرح کانوں پر ہیڈ فونز لگا کر موسیقی سننے کے بھی اتنے ہی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ماہرین علم سماعت (AUDIOLOGISTS) قوتِ سماعت کے نقصان کا ذمہ دار نوجوانوں کے موسیقی سے شدید لگاؤ (بالخصوص ہیڈ فونز) کو ٹھہراتے ہیں۔ اونچی آواز میں موسیقی کو کسی بھی ذریعے سے لگاتار سننے سے انسان کی سننے کی صلاحیت مستقل طور پر ناکارہ ہوسکتی ہے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ موسیقی اونچی آواز میں سننے کے برے اثرات صرف کانوں تک محدود نہیں ہوتے۔ اونچی آوازوں کے غیر سمعی (NON-AUDITORY) اثرات بھی ہوتے ہیں جو قوت سماعت کو متأثر نہ بھی کریں لیکن آلات کی مدد سے ناپے جاسکتے ہیں۔ مثلاً بلڈ پریشر کا بڑھ جانا، بے خوابی، سانس لینے میں دقت، دل کی دھڑکن کا بڑھ جانا اور خون کی شریانوں کا سکڑنا وغیرہ ایسے اثرات ہیں جو اونچی آوازوں کو سننے سے پیدا ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک پیشین گوئی

رسول پاک ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں فرمایا:

((لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِی الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَھَا بِغَیْرِ اسْمِھَا، یُعْزَفُ عَلٰی رُءُوسِھِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّیَاتِ، یَخْسِفُ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ وَ یَجْعَلُ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ))

(سنن ابی ماجہ' کتاب الفتن' باب العقوبات ۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے انہی الفاظ سے بیہقی اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ علامہ ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی کی شرح حدیث میں بیان ہوا ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شراب پئیں گے اس کو اس کے نام کے علاوہ

دوسرے نام سے پکاریں گے۔ان کے سروں پر موسیقی اور گانے کے آلات ہوں گے
اور وہ گانے والیوں کو سنیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کے نیچے سے زمین کو شق کر دیں گے اور
ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔''

گویا آخری زمانے کی علامات میں سے ایک علامت لوگوں کا سروں پر موسیقی کے آلات اٹھائے پھرنا ہے اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے سروں پر موسیقی کے ہیڈ فونز لگا رکھے ہیں، یعنی چودہ سو سال پرانی پیشین گوئی کی آج تصدیق ہو رہی ہے۔

آج کے نوجوانوں کے لئے میوزک خاص طور پر ہمہ گیر حالت ہے۔راک میوزک کے اوائل کے دنوں میں ریڈیو بھاری اور حجم میں بڑے ہونے کے باعث بس ایک ہی جگہ رکھے جاتے تھے۔ جب ٹرانسسٹر ریڈیو نکل آئے تو میوزک کو ساتھ لئے پھرنا آسان ہو گیا۔آلاتِ موسیقی (ہیڈ فونز) کا حجم چھوٹے سے چھوٹا ہوتا جانا اور ان کی ہلکی اور اعلیٰ ترین بناوٹ نے نوجوانوں کے لئے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو موسیقی میں مسلسل غلطاں رکھیں۔

یہ بات قابل مذمت ہے کہ ہمارے جدید معاشرے نے ایسی تفریحی صنعت گری کی ہے تا کہ لوگ کرۂ ارض پر ہر جگہ موسیقی سے لطف اندوز ہو سکیں۔چھوٹے آلات موسیقی کے ذریعے سے چلتے پھرتے، کام کرتے، یہاں تک کہ سوتے ہوئے بھی وہ اپنے پسندیدہ میوزک ویڈیوز دیکھ یا سن سکتے ہیں۔بعض گارمنٹ کمپنیوں نے تو اپنے گاہکوں کے لئے ایک ذاتی سٹیریو اس طرح مہیا کیا ہے کہ JACKETS کے ٹوپی والے حصے (HOODS) میں ریڈیو اور سپیکرز اندر ہی سی دیے گئے ہیں۔

آج دس سے بیس سال کی عمر کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد موسیقی ہی کے لئے زندہ ہے۔ یہ ان کا جنون ہے۔اس کے علاوہ کوئی چیز ان کو محظوظ نہیں کر سکتی۔ وہ کسی ایسی چیز کو سنجیدگی سے نہیں لیتے جس کا تعلق موسیقی سے نہ ہو۔ وہ موسیقی کے لئے بے چین رہتے ہیں۔اپنے سکول کے وقت میں یا جب وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہوتے ہیں، گھروں میں، کاروں میں ہر جگہ موسیقی کے سٹیریوز موجود ہیں۔موسیقی کی محفلیں ہیں۔ ہر جگہ موسیقی کے چینلز مل جاتے ہیں۔واک مین کی وجہ سے سفر کے دوران اور کتب خانوں سمیت کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں طلبہ کو میوزک سے بچا کر

اور روک کر رکھا جا سکے۔ جب تک ان کے ساتھ واک مین ہے ان کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ عظیم روایات کا کیا مطالبہ ہے۔ موسیقی کی اس طویل رفاقت کے بعد جب وہ کانوں سے اس کو ہٹائیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہرے ہو چکے ہیں۔

یہ مضمون ڈاکٹر گوہر مشتاق کی کتاب ''موسیقی: اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں'' (مطبوعہ اذانِ سحر پبلی کیشنز، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 2009ء) سے ماخوذ ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر مراجع و مصادر کے حوالہ جات حذف کر دیے گئے ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب ملاحظہ فرمایئے۔]

(ماخوذ از سہ ماہی حکمت قرآن لاہور جولائی تا ستمبر 2009ء)

حجاب کے جرم میں
شہید کی جانے والی خاتون

محمد زبیر خان

(ماخوذ ہفت روزہ تعمیر حیات لکھنو 25 اگست 2009ء)

یکم جولائی 2008ء کو جرمنی کی عدالت میں سرعام 32 سالہ خاتون کو خنجر سے وار کر کے شہید کر دیا گیا، جب شہیدہ مروی شیر بنی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہی تھی، تو عدالت میں منصف بھی موجود تھا، سیکورٹی اہلکار اور میڈیا بھی، سب کے سامنے اس کو اسکارف پہننے کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

اس موقع پر شہیدہ چار ماہ کی حاملہ تھی، اس کا تین سالہ بیٹا اپنی ماں کو خوفناک انداز میں قتل ہوتا دیکھ رہا تھا، شہیدہ کا خاوند علوی عکاظ مدد کیلئے لپکا، تو سیکورٹی گارڈ کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

عدالت کا کمرہ لمحوں میں بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو گیا اور ایک پاک باز خاتون نے حجاب کی خاطر اپنی جان قربان کر کے، مغرب کا بھیانک چہرہ بے نقاب کر دیا۔

اس سے اب خون کی لت بھی نہیں چھوڑی جاتی، تمغۂ امن بھی چاہے وہ ظالم گر رکھنا اس داستان کا آغاز 2008ء میں ہوتا ہے، جب شہیدہ مروی شیر بنی اپنے کم سن بیٹے کو لے کر پارک میں نکلتی ہے، جہاں پر اس کے پڑوس میں رہنے والا 28 سالہ ایگزل ڈبلیو اس کو حجاب پہننے پر طنز کا نشانہ بناتا ہے، جس پر وہ خاتون عدالت سے انصاف طلب کرنے پہنچ جاتی ہے، عدالت ایگزل کے رویے کو متشددانہ قرار دیتے ہوئے جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیتی ہے، جس کے بعد یہ واقعہ جرمنی کے اخبارات کی زینت بنتا ہے، جرمنی کا متشدد گروہ ایگزل کو اپنا ہیرو بنا لیتا ہے اور فیصلے کے خلاف اپیل کرتا ہے، یکم جولائی کو عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوتا ہے، عدالت کے روسٹم پر مروی شیر بنی کو

طلب کیا جاتا ہے، وہ بھی اپنے بیان کا آغاز ہی کرتی ہے کہ متشدد قاتل ایگڑل اس کی طرف لپکتا ہے، ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا وار پاک دامن کے جسم پر تیز دھار خنجر سے پورے اٹھارہ وار کرتا ہے، پہلے ہی وار پر اس کا خاوند اپنی نیک بخت بیوی کو بچانے کے لئے دوڑ لگاتا ہے، موقع پر موجود سیکورٹی گارڈ جس کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ مروۂ شیربنی کی حفاظت کرے، الٹا علوی عکاظ کو اپنی گولی کا نشانہ بناتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو کر گر جاتا ہے۔

شہیدہ ممکنہ حد تک درندے سے اپنے بچاؤ کے لئے مزاحمت کرتی ہے درندے کا ٹارگٹ شہیدہ کا اسکارف پہنا ہوا سر ہوتا ہے شہیدہ چھ وار سہنے کے بعد اب صرف اپنے حجاب کو بچانے کے لئے جدوجہد کرتی ہے ایسے ہی قاتل اس کے جسم پر اٹھارواں وار کر کے اسے نڈھال کر دیتا ہے جب تک قاتل کو روکنے کی کوشش کامیاب ہوتی ہے، اس وقت تک مروۂ شیربنی اپنی منزل مراد ''شہادت'' پالیتی ہے، اس کا خاوند خون میں لت پت اور شہیدہ کا کم سن بیٹا باپ کو دیکھ کر زاروقطار رو رہا ہوتا ہے۔

ے
یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں، مسلمان ہونا

واقعے کے بعد مغرب اور عرب دنیا کے مسلمانوں میں ایک بھونچال آجاتا ہے، مغربی میڈیا اس موقع پر پردہ ڈالنے کی ممکنہ حد تک کوشش کرتا ہے، پاکستانی میڈیا جو آج کل انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق کا علمبردار بنا ہوا ہے، اس تک یہ خبر پہنچی ہی نہیں ہے۔

اگر سوات میں کسی لڑکی کو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو ہوتی تو یہ خبر عالمی میڈیا پر بریکنگ نیوز کے طور پر نشر کی جاتی، اس پر تبصرے ہوتے، مگر یہ ایک معصوم مسلمان عورت کا قتل تھا، جو دین اسلام سے تعلق رکھتی تھی، اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہتی تھی، وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتی ہے، جس پر پوری دنیا میں عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، جس کے رہنما اپنی خودی کو بیچ کر، امریکہ اور مغرب کی غلامی میں چلے گئے ہیں، جو حکومت تو اپنے ہم مذہبوں پر کرتے ہیں، مگر زبان امریکہ اور مغرب کی بولتے ہیں، جو اس وقت کمزور نہ ہوتے ہوئے بھی مغلوب ہیں، جن کا بچہ بچہ جرم بے گناہی کی سزا بھگت رہا ہے۔ جس طرح شہیدہ کو قتل کیا گیا ہے۔ اگر اس طرح ان کا کوئی پالتو

جانور بھی قتل ہو جاتا، تو یورپ کے اندر طوفان آ جاتا، جرمنی کے حکمرانوں کے لئے اقتدار بچانا مشکل ہو جاتا، غفلت کے مرتکب سیکورٹی اہلکار جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوتے۔ مگر یہ قتل ایک مسلمان کا قتل تھا۔

جس نے اپنے عقیدے کی خاطر قربانی دی تھی، اس پر مغرب کی انسانی حقوق کی تنظیموں اور اداروں کی خاموشی دوہرے معیار کی آئینہ دار ہے۔

واقعے کے بعد جرمنی سمیت پورے یورپ اور عرب دنیا میں مظاہروں کا آغاز ہوتا ہے، ایسے ہی ایک مظاہرے میں خواتین نے ایک پلے کارڈ اٹھا رکھا تھا، جس پر لکھا تھا کہ ''ہم وہ پہننے کے لئے آزاد ہیں، جس کا حکم ہمیں ہمارا مذہب دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا جو دل چاہتا ہے پہنتے ہو'' اور ایک پلے کارڈ پر لکھا تھا کہ ''ہمارے خون کا رنگ بھی سرخ ہے اور تمہارے خون سے سستا نہیں۔''

6 جولائی کو شہیدہ مروہ شیر بینی کی میت مصر کے قاہرہ ایئر پورٹ پر اترتی ہے، عوام کا سمندر شہیدۃ الحجاب کا استقبال کر رہا ہوتا ہے، اس کے خاندان کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے، شہیدہ کا خاوند جرمنی کے ہسپتال میں ہوش وحواس سے بیگانہ اپنی نیک بخت بیوی کے جنازے کو آخری سہارا دینے سے قاصر ہوتا ہے، مصری عوام کی توجہ کا مرکز شہیدہ کا تین سالہ بیٹا رہا ہے۔

شہیدہ مروہ شیر بینی کو اس کے آبائی علاقے اسکندریہ میں سپرد خاک کیا جاتا ہے، اس موقع پر ہزاروں شرکاء بلند آواز سے اللہ کی وحدانیت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں، ان کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ ہوتا ہے کہ ''کوئی اور خدا نہیں ہے، مگر وہ ایک طاقتور اور بزرگ و برتر خدا ہے اور جرمن خدا کے دشمن ہیں''۔

(ماخوذ از ماہنامہ بیداری حیدر آباد اکتوبر 09ء)

Jinnah's Vision of

Islamic Ideological

Pakistan

(Mohammed Faheem)

Timergara Dir

It has been a fashion with the secular segment of the society that they leave no stone unturned to prove that Pakistan was not built on an ideology but purely on secular basis. Numerous articles on the subject appear on the regular basis in the print media. One of the recent such articles is the one by Dr. A .Z. Hilali in the Daily the Frontier post of September II, 2009 The article captioned as 'Jinnah's vision of Muslim Secular Pakistan, seems to misguide people as by in large, the common man knows very little about the genesis of Pakistan. Mr. Hilali, like other secularism fans have made some odd references quoting the Quaid-e-Azem to have struggled for a secular rather than and Islamic country.

It is correct that the country was achieved on the basis of the two-nation theory and that the Quide was against all

type of the ocratic rule and the dominance of the Mulla and Pope in the affairs of the state. He was an advocate of the Islamic social justice and freedom of thought and equality of the human beings. On the basis of the meaning of secularism, a secular Muslim Pakistan should mean a country where the people would have the right for making legislation without seeing that it is in accordance with the teachings of islam or not___The Quaid never wanted such a system and he is on record to have pleaded for the system of the Holy Quran to be implemented in the would-be Pakistan. During the peak of struggle from 1937 to 1947, the Quaid has spoken out his mind without any reservation whatsoever so many times on the subject.

The right of sovereignty rests with Allah alone. Man on this earth is the trustee of God to exercise his authority within the parameters of the Divine injunctions. Since, Allah is the creator and Sustainer, only He has the right to give Law to the man. Therefore, a Muslim country has no right except to make legislation in accordance with the Holy Quran and Sunna. This is what the Quaid was adovocating for, which we will prove from his life history particularly the period of srruggle for independence. Perfectly in consonance with the Islamic system the Quaid was rightly arguing for the equal

rights of all the citizens for social justice and access to the basic necessities of life irrespective of religion, creed, race and language. The Quaid knew that this can only be possible under a true Islamic system to rule the political, social and economic life of the country.

The learned writer has himself contradicted his claim by making a number of references which go against his argument for Quaide Azem as advocating for Muslim Secular Pakistan. One such reference is the Quaid's address to the American citizens in which he has clearly said, "I do't know what would be the final shape of the constitution of Pakistan, but i do believe that it will be one prepared on democratic lines with Islamic principles embedded therein." The learned writer has attributed all savage and bloody action of the misguided people to Islam which is never justified. Islam never allows such things and all such misdoings are quite Haram in Islam. In the article under reference an effort has been made to express resentment on the blasphemy law and the law of the desecration of the Quran. This suggests that our secular friends want to see Pakistan a free heaven for people like Salman Rushdi and Tasleema Nasreen.

Out of the scores of the Quaid-e-Azam a few are put

herewith to abundantly prove that he wanted an Islamic ideological Pakistan only and nothing else.

1- Late Ghulam Murshid, the Khateeb of the Badshahi Masjid refering to his meeting with Mr. Jinnah said," ..... Constitution of the Islamic state for which we are struggling, will be based on it (The Quran). (Sharif Farooq, Barre Saghir Ka Marde Mujahid page 398-399).

2- Talking to the students in Haiderabad Deccan the Quide said in 1941, " It should be kept in mind that in an Islamic government for all submission and loyalty the center is Allah, the Almighty God, which can be done through following the injunctions of the Quran. In Islam there is no subjugation to any one, be that a king, a parliment or any other institution. (Chaudhri Sardar Muhammad Khan, Hayate Quaide Azem page 255).

3- In his Eid message, in 1945, he said, "Every Muslim knows that the Quranic injunctions are not limited to religion, morals and ethics only, but they are equally applicable to civics, and all laws pertaining to the rights and deeds of human beings and it is an all comprehensive code of life, encompassing religious, social, economic, judicial, civil and military affairs.

4- In Peshawar, on Nov.26, 1945, in a public address the

Quaide Azem said, "The muslims have one God, one Prophet and one Holly Book---- Our efforts are to unite the Muslims into one body," (M. Hanif Shahid, Islam and the Quaide Azem, page 106).

5- A resolution passed in Karachi in 1942, regarding constitution says like this, "The constitution of Pakistan will be in accordance with the Quran and Sunnah and the existing laws will be modified accordingly. "Commenting on this the Quaid said," The proposal is the cry of the heart of every Muslim and what is the objective of Pakistan except to establishing the system of Deen of Allah" (Rahim Bakhsh Shaheen Nooqoshi Quaide Azem page 309,310).

6- Replying to a question at the residence of the Peer of Manki Sharif the Quaid said," ______ Our will be the same that was given to us 1300 years ago by the Prophet Muhammad (PBUH) The Quran is our law and that is all. (Sharif Farood, Marde Hurriat page 397).

7- In 1947, replying to a question of Maulana Shabir Ahmad Usmani the Quaid said, "The law of pakistan will be Quran. I strongly believe that no source can give a better constitution than the Quran. Preparation of the constitution is the job of the Ulema like yourself." (Ifthikhar M. Khokhar, Quaid Azam ka Islami Thashakhkhus page 10).

Scores of evidences can be quoted but for the length of the article. I conclude my submission with an historic event on this subject in which Shaheed-e Millat Liyaqat Ali Khan has fully clarified the position on this issue. On the passage of the Objective Resolution on March 12, 1949, the then Prime Minister said, " Sir, this is the most important day for us only next to the independence day. By independence we have a chance for building our country and system in accordance with our own ideas and objectives, and Sir, the great Quaid had spoken several times on this subject and his ideas have fully been supported by the nation. The Quaid had said," We need Pakistan for traditions. With this we want to prove to the whole world that even today Islam is the only antidote to the ailments and sufferings of the humanity. This is for this rason Sir, that in the beginning of the Objective Resolution, it has been fully acknowledged that all the authority should stand subordinate to the Divine Commandments enshrined in the Holly Quran." These are historic realities which cannot be denied despite the efforts of a lobby which is strenuously struggling for falsifyin the truth.

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (القرآن)

قرآن حکیم کی تلاوت سننے سے ذہنی تناؤ کم ہو جاتا ہے (امریکی ماہرین)

مکہ مکرمہ (مبشرلون استانوالہ سے) امریکی ماہرین نے تازہ ترین جائزے میں واضح کیا کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن حکیم کی تلاوت کرنے اور سننے سے ذہنی تناؤ کم ہو جاتا ہے۔ ایک امریکن یونیورسٹی نے قرآن حکیم کی تلاوت کے موضوع پر ماہرین کی مدد سے جائزہ تیار کرایا۔ ذہنی امراض کے ہسپتال کے ڈائریکٹر اور کنسلٹنٹ ڈاکٹر رجب عبدالحکیم بریسالی جو سعودی نیشنل گارڈ ہسپتال میں میڈیکل کمپنی کے رکن بھی ہیں، بتایا کہ عربی زبان نہ جاننے والے ایک گروپ کو آڈیو کیسٹ کے ذریعے قرآن حکیم کی آیات سنائی گئیں۔ اس موقع پر ان افراد کے ذہن پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ مشینوں کے ذریعے ریکارڈ کیا گیا۔ نتائج سب کے لئے حیرت ناک ثابت ہوئے۔ قرآن حکیم ایسے افراد کو سنایا گیا تھا جو نہ تو عربی سے واقف تھے اور نہ انہوں نے کبھی قرآن حکیم سنا تھا، وہ مذہباً غیر مسلم تھے۔ قرآن حکیم کی تلاوت سننے سے ان کے ذہن و دماغ پر پڑنے والے اثرات سے واضح ہوا کہ قرآن حکیم کی تلاوت سے قبل وہ ذہنی تناؤ کا شکار اور ڈیپریشن میں مبتلا تھے اور ان کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ تاہم قرآن حکیم کی تلاوت سننے کے بعد ذہنی تناؤ ختم ہو گیا اور ان کے دماغ پر تازگی چھا گئی۔

ڈاکٹر بریسالی نے بتایا کہ اس سے ہم یہ نتیجہ بجا طور پر اخذ کر سکتے ہیں کہ قرآن حکیم سننے کا سحر آفریں اثر ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن پاک سنتے ہیں وہ ذہنی تناؤ اور بے چینی سے بچ جاتے ہیں، انہیں سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے ذکر یعنی قرآن پاک سے قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگا نہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہین بخشا
جس میں رکھدی ہے، غلامی نے نگاہِ خفاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش
اقبالؔ

THREE MILLION MAN MARCH

پاکیزہ ترین ماحول میں

(شیطان اور ابلیسی قوتوں سے اظہارِ نفرت کرتے ہوئے)

30 لاکھ سے زائد مسلمان حجاج کرام

کا ایک ہی نعرہ (SALOGAN)

لَبَّیْکَ

میں (جان و مال سمیت) حاضر ہوں

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

اے اللہ میں (ہر قربانی دینے کے لئے) حاضر ہوں

لاَشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ

(اے اللہ حقیقتاً) تیرا کوئی شریک نہیں (مگر لوگوں نے تیرے شریک بنا لئے ہیں)

میں (شرک کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے) حاضر ہوں

اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ

(جو نعمتیں دنیا کے انسانوں کو میسر ہیں وہ سب تیری عطاء کردہ ہیں لہٰذا)

بلاشبہ سارا شکر اور احسان تیرا ہے

وَ الْمُلْکَ

(تیرے احکام سے روگردانی کرنے والے اور تیرے باغی بادشاہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے)

اور حقیقی بادشاہی بھی (صرف تیرے لئے ہے)

لاَشَرِیْکَ لَکَ

تیرا کوئی شریک نہیں (اس دنیا پر صرف تیری حکمرانی قائم کرنے کیلئے ہم حاضر ہیں)

فرمودۂ اقبال

دل

قصّۂ دار ورسن بازیِ طفلانۂ دل
التجائے اَرِنی سرخیٔ افسانۂ دل
یارب! اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی!
جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب!
جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل
حسن کا گنجِ گرانمایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل
عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل
اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل
تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں! اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل
خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے